ماہنامہ

ماہنامہ حیات نو

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریاگنج

اعظم گڑھ۔ یوپی۔ الہند

انجمن طلبہ قدیم کے اغراض و مقاصد

۱۔ فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے حصول کے لئے منظم کرنا۔

۲۔ ان کی صلاحیتوں کو ان مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ موثر و مفید بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

۳۔ جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ تعاون کرنا۔

۴۔ مقاصد جامعہ کے لئے دیگر دینی تعلیمی اداروں سے ربط رکھنا اور ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

مقاصد جامعہ سے مراد دستور جامعۃ الفلاح کی دفعہ ۲ کے تحت مذکور مندرجہ ذیل مقاصد ہیں

(۱)۔ ایسے افراد تیار کرنا

الف۔ جو قرآن و سنت کا گہرا علم اور صحیح دینی بصیرت رکھتے ہوں۔

ب۔ جن کی نظر وقت کے اہم مسائل پر بھی ہو اور جو غیر اسلامی نظریات سے بخوبی واقف ہوں

ج۔ جو اسلامی اخلاق و کردار کے حامل ہوں

د۔ جن میں احیائے اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کا صحیح جذبہ ہو۔

ہ۔ جو گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔

(۲)۔ ایسا نصاب تعلیم زیر عمل لانا جس میں دینی اور دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج ہو۔

(دستور انجمن طلبہ قدیم)

ماہنامہ حیات نو

مدیر منتظم .... نور محمد فلاحی

مدیر .... سید راشد علی حامدی

قیمت فی شمارہ ...... تین روپے

سالانہ زر تعاون ..... ۲۰ روپے

جلد   شمارہ   شوال تا ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق اگست تا ستمبر ۱۹۸۲ء

اس نشان کو ملاحظہ فرمائیے

سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے براہ کرم سالانہ زر تعاون مبلغ ۲۰ روپیہ ارسال کر کے مشکور فرمائیے

فہرست

دھڑکنیں

جنون درکار ہے۔ سید راشد علی حامدی ۲

درس قرآن

اطاعت رسول۔ مولانا جلیل احسن ندوی ۴

کیا جانے کا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (ادارہ) ۶

مقالات

اسلام کیا ہے؟ ڈاکٹر بدیع الزماں ۸

گذشتہ سے پیوستہ۔ عبید اللہ فہد فلاحی ۱۴

فقر و قلندری۔ ارشاد احمد مجذوبی ۲۰

مرد کامل بننے کا مسئلہ۔ ماسٹر عبدالحکیم ایم اے ۲۲

اخلاقی بحران۔ سید راشد علی حامدی ۳۰

اقامت دین اور ہماری ذمہ داریاں۔ فضیل القدس ۳۲

چمنستان ادب

قرآن ایک آفاقی کلام اسلوب حدیث کی روشنی میں ... ۳۹

شیخ زرتشت ... ترجمہ و تلخیص: حافظ نعیم الدین اصلاحی

علی گڑھ کا نائی ہو گئے۔ عبدالمجید قریشی ۴۳

دیکھیں سنی باتیں۔ محمد صبیح اختر ۴۶

شعر و نغمہ

غزل — شفق طاہری ۴۷

غزل — ڈاکٹر ساغر اعظمی ۴۸

لہو کا دشت — شفق طاہری ۴۹

عالم اسلام

عرب اتحاد کے ...... سید راشد علی حامدی ۵۰

ایڈیٹر کی نظر میں

یادگار مجلہ سلسلہ کل ہند اجتماع جماعت اسلامی ۵۲

تحریک ادب میں صحافت انسانی ذہن کو ڈھالنے کا ایک موثر ذریعہ ہے ...... (امام مودودی علیہ الرحمہ)

دھڑکنیں

جنون درکار ہے

ہر تحریک یا تنظیم خواہ وہ کسی بھی شعبۂ حیات سے متعلق ہو اپنے آغاز کار ہی میں اپنے مقاصد اور نصب العین کا تعین کرتی ہے۔ مقاصد کو بروئے کار لانے اور انھیں عملی جامہ پہنانے کے لئے طریقۂ کار اور میدان عمل کے انتخاب کا مرحلہ بعد میں پیش آتا ہے۔ لیکن جو چیز اس سے اہم اور عظیم ہے وہ یہ کہ تحریک کے افراد اپنے مقصد سے جنون کی حد تک عشق اور لگاؤ رکھتے ہیں کہ نہیں، ان کے دلوں میں عزائم، حوصلوں اور ولولوں کا سمندر موجزن ہے کہ نہیں وہ صبر آزما مراحل سے صبر و تحمل کے ساتھ گزرنے کے لئے تیار ہیں کہ نہیں، اگر تحریک کے افراد میں یہ صفات بدرجۂ اتم موجود ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انھیں اپنے مقصد سے منحرف نہیں کر سکتی۔ انکے عزم و حوصلے کی مسلسل ضربوں سے مشکلات راہ کی ساری چٹانیں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی ہیں۔ وہ سمندر کا سینہ چیرتے اور پہاڑوں کا جگر کاٹتے اپنی راہ پر مسلسل گامزن رہتے ہیں۔ لیکن تحریک کے افراد اگر بالعموم ان صفات سے عاری اور تہی دامن ہوں تو منزل تو درکنار اس راہ میں دو قدم بڑھانا بھی ناممکن ہو جاتا ہے

لیکن بسا اوقات ہم ان سب چیزوں کے باوجود اپنے قدم روک لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں نا تجربہ کاری ہمارے سامنے نت نئے مسائل کا انبار لگا دیتی ہے اور پھر ایسے ماحول میں جبکہ پورا سماج جنس و فلم زدہ ہو۔ زندگی کی اعلیٰ اور تعمیری قدروں کا جنازہ اٹھ چکا ہو ادب و صحافت کا مقصد تخریب کاری اور منفی انداز فکر پیدا کرنا ہو تو کسی تعمیری ذہن بنانے اور مثبت انداز فکر پیدا کرنے والی تحریک یا رسالے کو قدم قدم پر مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بسا اوقات ہم کوئی چارۂ کار نہ پاکر اپنے قدم روک لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اسے مقصد سے انحراف تعبیر کرنا بالکل غلط ہوگا کیونکہ اس دوران ہم اپنی سرگرمیوں اور کوششوں کا جائزہ لیکر پہلے سے زیادہ تیاریوں کے ساتھ میدان عمل میں آتے ہیں۔ برطانیہ کے کنگ جارج ششم نے ۲۵ دسمبر ۱۹۵۰ء میں اپنی تخت نشینی کی تیرہویں سالگرہ کے موقع پر اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"Like the pilgrim, we have gone forward only to back. like him, we have fallen back only to press onward once more."

"ہم ایک زائر کی مانند بسا اوقات پیچھے ہٹنے کے لئے آگے بڑھتے ہیں اور کبھی پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ آگے بڑھنے کے لئے پیچھے ہٹ آتے ہیں"

بالکل ٹھیک یہی حال ہمارا بھی ہے، جس کا اعتراف

کرنے میں قطعاً باک نہیں کہ ہم سے کچھ کوتاہیاں بھی ہوئی ہیں لیکن آپ اس سے ہماری سخت جانی اور ہمارے مقصد سے لگاؤ کا اندازہ کیجئے کہ ہم نے بے پناہ دشواریوں اور مشکلات کے باوجود ایک بار پھر بلند حوصلے اور جوش جنوں سے سرشار اپنے بلند ذوق قارئین کے لئے "حیات نو" کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔

اس سے آپ یہ مطلب ہرگز مت اخذ کیجئے گا کہ اس دوران انجمن کی دوسری سرگرمیاں بھی سرد پڑ گئیں۔ نہیں بلکہ ہم نے اس دوران پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور ہم نے بہت سی مشکلات پر کسی حد تک قابو پانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ حیات نو کی اشاعت میں چونکہ ہمیں بہت سی مالی پریشانیوں اور انتظامی بدحالیوں کا سامنا تھا اس لئے ہم مجبور تھے۔ لیکن اب ہم نے ان مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے اگر آپ تمام حضرات کا تعاون درکار رہا تو انشاء اللہ ہم "حیات نو" کو مفید سے مفید اور بہتر سے بہتر بنانے اور قارئین کے لئے علمی تحقیقی اور روحانی سامان تسکین پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے "ان اللہ معنا"۔

سید راشد علی حامدی

●●

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

ٹائمز آف انڈیا گروپ کے بمبئی سے شائع ہونے والے کثیر الاشاعت اخبار "ایوننگ نیوز" کی اشاعت مورخہ ۹ جون سنہ ۱۹۸۲ء صفحہ نمبر ۱۲ پر دو خبریں ایک ساتھ کالم نمبر ۲ میں شائع ہوئیں جس میں اہل بصیرت کیلئے سامان بصارت موجود ہے

"پاکستانی حکومت نے حسین و جمیل لڑکیوں کے اشتہارات کو فلمی رسالوں نیز عام اشتہارات سے غائب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بلکہ حکام اس کام کو اسلامی ریفارم کا ایک حصہ بتلاتے ہیں۔ انکے نزدیک خواتین کی اس طرح نمائش اسلامی نقطۂ نظر سے مخرب اخلاق ہے۔ دنیا بھر کے نیز پاکستان کے کچھ اخبارات اور WOMEN ACTION FORUM نے اس کی مذمت کی مگر بے سود۔"

پتہ نہیں انشاء جی نے کس موقع پر اتنا خوبصورت شعر کہا تھا۔ مجھے تو آج یہ شعر گویا اسی خبر کا ترجمان لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان خود ساختہ دانشوروں کے واویلا مچانے پر انشاء جی نے یہ شعر کہا ہوگا۔

ساری دنیا عقل کی بیری کون یہاں پر سیانا ہو
ناحق نام دھریں سب ہم کو دیوانا دیوانا ہو

دوسری خبر بالکل اس خبر سے منسلک اسی کالم میں ہے۔

"برطانیہ میں جنسی امراض اس تیزی سے بڑھ رہے ہیں کہ ہر دو منٹ میں اسپتال آنے والا ہر نیا مریض انتہائی مہلک جنسی بیماری (V.D.) کا شکار ہوتا ہے۔ منسٹری آف ہیلتھ کے مطابق اب سے کوئی ۲۵ سال قبل برطانیہ میں مریضوں کی تعداد ۱۲،۲۷ تھی۔ اب یہ حال ہے کہ ہر سال کم از کم ۵ لاکھ افراد اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ ۲۴ ہزار ڈاکٹروں پر مشتمل جماعت BMA کا کہنا ہے کہ جدید ترین اینٹی بائوٹک ادویہ بھی اس کا مکمل علاج نہیں جبکہ کئی عورتیں اس موذی مرض کی وجہ سے ماں بننے کی اہل نہیں۔"

کوئی بعید نہیں کہ نام نہاد روشن خیالی کے علمبردار بلید الذہن دانشوروں کو اوپر والی خبر پر تو غصہ آئے اور بعد والی خبر کا وہ علمی انکشافات کے طور پر مطالعہ فرمائیں۔

(انیس احمد کربلا دیش، بمبئی) بشکریہ سفت روزہ نو

●●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب مولانا جلیل احسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اطاعتِ رسول

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا وَّھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ وَاَنَّہٗ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً ۚ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

اے ایمان والو! (خوشدلی کے ساتھ) اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور خبردار اعراض مت کرنا جب کہ تم کو بلایا جائے دراں حالیکہ تم سن رہے ہو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کہا ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ ہیں جو بہرے بن گئے ہیں گونگے بن گئے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان کے اندر قبولیت حق کی کچھ بھی صلاحیت ہے تو وہ انکو سننے والا بنا دیتا اگر اللہ جبراً ان کو سننے والا بناتا تو یہ بالکلیہ منہ پھیر لیتے۔

اے اہل ایمان! تم اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہتے رہنا جو تمہارے لئے زندگی بخش ہے اور یہ جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل رہتا ہے اور تم اس کی طرف سمیٹے جاؤ گے۔ اور اور بچو اس عذاب سے (جو رسول کی نافرمانی کے نتیجہ میں آتا ہے) جو خاص طور پر کافروں کو ہی نہ پہنچے گا اور جان لو اللہ (ظالموں کو) سخت سزا دینے والا ہے۔

الانفال ۲۰ — ۲۵

تشریح

یہ آیات سورۃ الانفال کی ہیں جو بدر کے بعد نازل ہوئی۔ یہ نہایت عظیم الشان سورہ ہے جس میں مسلمانوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم فوج کے سپہ سالار) کی غیر مشروط اطاعت اور خدا پر مکمل اعتماد کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو آئندہ مراحل میں جانی و مالی قربانی دینے کے لئے تیار کیا گیا ہے اور قانون جنگ و صلاح اور تقسیم غنائم کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔

ان آیات میں اللہ اطاعت کاملہ کی ہدایات دے رہا ہے۔

۲۰۔ کہا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو خوشی دلی کے ساتھ اللہ کے رسول کا کہا مانو۔ غیر مشروط طور پر اپنے کمانڈر کی اطاعت کرتے رہنا تاکہ مسلم فوج میں انتشار و افتراق پیدا نہ ہونے پائے کیونکہ باہمی اتفاق واتحاد اور کمانڈر کی فرماں برداری ہی سے تم کامیاب و کامران ہو سکتے ہو۔ جب تم کو رسول خدا جہاد بعد القتال کیطرف بلائیں تو تم لبیک کہو۔ اس سے روگردانی مت کرو۔ واضح رہے کہ مدنی سورتوں میں جب اطاعت خدا اور اطاعت رسول کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد رسول کی اطاعت ہوا کرتی ہے۔ مدنی سورتوں میں اس تخصیص کی وجہ یہود و نصاریٰ اور منافقین کو یہ بتلانا ہوتا ہے

کہ رسول کی اطاعت سے کسی حالت میں بھی مفر نہیں۔

۲۰۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو اپنے انبیاء کو دھوکا دینے کے لئے یہ کہہ دیتے تھے کہ اے نبی جو آپ کہہ رہے ہیں ہم اس کو بغور دھیان سے سن رہے ہیں اور آپ نے جو کہا اس پر عمل کریں گے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی تھی۔ یہ لوگ اپنے انبیاء کو بہکانے کے لئے ایسا کرتے تھے۔ جب رسول ان کو کبھی کام کے کرنے کا حکم دیتے تو یہ اعراض کرتے۔ اشارہ ہے بنی اسرائیل کی طرف موجودہ منافقین کا بھی یہی حال ہے کہ جب ان کا کوئی معاملہ ہوتا تھا تو سمع و اطاعت کا مظاہرہ کرتے اور جب رسول ان کو کوئی حکم دیتے تو وہ اس سے سرتابی کرتے۔ اس لحاظ سے اس سے مراد یہود و منافقین دونوں ہو جائیں گے۔

۲۲۔ بہرے، گونگے اور عقل سے کام نہ لینے والوں سے مراد یہود و منافقین ہیں جن کا تذکرہ اوپر والی آیت "الذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون" کے تحت آیا ہے یعنی ان منافقین یہود کی طرح اپنے کو بہرہ گونگا بنا لیا ہے کہ سن کر ان سنی کر دیتے ہیں اور عقل کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ لہذا اے مسلمانو! خبردار تم ایسا نہ کرنا۔

۲۳۔ ہم نے انکے ساتھ یہ سلوک (یعنی قبولیت حق کی استعداد کو چھین لیا) بلا وجہ نہ کیا بلکہ اس کا مستحق انہوں نے خود اپنے اعمال سے بنا لیا۔ خیر سے مراد قبولیت حق کی استعداد ہے۔ اگر ان کے اندر کچھ بھی حق کو قبول کر لینے کی صلاحیت موجود ہوتی تو وہ ان کو سننے والا بناتا کہ قانون خداوندی یہی ہے مگر اللہ ان کو جبراً سامع بنا دیتا تو بیتے کر دیتے جس طرح آدمی مکھی کو قے کر دیتا ہے (لاسمعھم کے بعد جبراً وقھراً محذوف ہے)۔

اے امت مسلمہ! تو ان کی روش اختیار مت کرنا۔ عصیان و نافرمانی کی راہ مت اپنانا۔ رسول کی اطاعت کرتے رہنا

۲۴۔ تم رسول کی اطاعت پر لبیک کہو جبکہ رسول تم کو اس چیز کی طرف بلائے جو کہ تم کو زندگی بخشنے والی ہے (لما یحییکم) زندگی بخش چیز سے مراد جہاد اور انفاق ہے کیونکہ اس سے قوموں کو زندگی ملتی ہے زندگی سے مراد قومی عزت اور قومی شرف ہے۔ جہاد اور انفاق ایمان کو تازہ کرتے اور زندہ رکھتے ہیں اور یہ بات ہمیشہ تمہارے ذہن میں مستحضر رہے کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل رہتا ہے یعنی آدمی اپنے دل کی نفسیات کو اتنا نہیں سمجھ سکتا جتنا کہ اللہ سمجھ سکتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ خود بخود نکلتا ہے کہ اے مسلمانو! جب تمہارے دل میں یہ بات مستحضر رہے گی تو تم سمع و اطاعت کا حق ادا کرو گے۔ یہ دونوں چیزیں یعنی اسرار قلب سے خدا کی واقفیت اور اسکی طرف پلٹنا کسی شخص کے ذہن میں تازہ رہیں تو وہ بیان کردہ ہدایات پر عمل کر سکتا ہے انہیں کے باعث وہ عصیان رسول سے بچ سکتا ہے۔

۲۵۔ فتنہ سے مراد وہ عذاب ہے جو عصیان رسول کے نتیجہ میں آتا ہے۔ سورہ نور (۶۳) میں بھی یہی معنی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آگاہ کر رہا ہے کہ رسول جس اصلاح و ہدایت کا بیڑہ لیکر اٹھا ہے اور تم کو جس خدمت میں ہاتھ بٹانے کی طرف دعوت دے رہا ہے اسی میں درحقیقت شخصی و اجتماعی دونوں طرح کی کامیابی ہے اور اسی سے تم اپنی تحریک کو آگے بڑھا سکتے ہو لیکن اگر تم ایسا نہ کرو گے تو معاشرہ میں انتشار برپا ہوگا اور تم اپنے اصولوں کو کامیاب نہ بنا سکو گے۔ لہذا تم ان ہدایات پر عمل کرو۔ اور ان برائیوں کو جو سوسائٹی میں پھیلی ہوتی ہیں ان کو ختم کرنے کی جدوجہد کرو لیکن اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اس کے نتیجہ میں جو عذاب آئے گا اس کی لپیٹ میں تم بھی شامل ہو جاؤ گے کیونکہ اس صورت میں صرف گناہ کرنے والے ہی گنہگار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں جو ایسے ماحول میں رہنا گوارا کرتے ہیں اور ماحول کے سدھار کی کوشش نہیں کرتے۔ ●●

حیات نو کو آپ کے ہر طرح کے
تعاون
کی ضرورت ہے

لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

گلستاں میں ہم اپنے دل کو بہلانے نہیں آئے:

بحمد اللہ ۶ شوال کو جامعۃ الفلاح کے سال نو کا آغاز ہوا۔ اور حیرت انگیز طور پر تقریباً تمام طلبہ و اساتذہ وقت پر مدرسہ پہونچ گئے اور اسی دن سے تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ طلبہ بھی پہلے کی بہ نسبت زیادہ انہماک اور دلچسپی سے تعلیم کیطرف متوجہ ہیں پھر بھی اس موقعہ پر اپنے ساتھیوں سے چند باتیں گوش گذار کرونگا۔

عزیز ساتھیو! اس حقیقت سے شاید آپکو بھی انکار نہ ہوگا کہ جامعۃ الفلاح ہندوستان کے قدیم و جدید عربی مدارس میں ایک ممتاز اور نمایاں مقام رکھتا ہے اسے بجا طور پر قدیم و جدید تعلیم کا سنگم کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہاں دینی و اسلامی علوم کے ساتھ عصری علوم کی تعلیم کا بھی خاطر خواہ اہتمام کیا گیا ہے۔ یونٹکس، اکنامکس اور بی۔ اے کا مساوی کورس بہترین اساتذہ کی زیر نگرانی پڑھایا جاتا ہے قرآن و سنت کو نہ صرف تحقیقی انداز میں پڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ طلبہ کے اندر اس بات کی صلاحیت پیدا کی جاتی ہے کہ وہ اپنی اجتہادی قوت سے کام لیکر اسلامی احکام و تعلیمات کی موجودہ دور کے مطابق تطبیق کر سکیں۔ اور اپنے زور استدلال سے اسلام کو تمام مسائل کا واحد حل ثابت کر سکیں۔ مدعا کے کلام یہ کہ آپ دینی علوم کیساتھ جدید تعلیم پر بھی پوری توجہ دیں تاکہ قرآن و سنت پر عبور حاصل کرکے اسے جدید انداز میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اپنے اندر استدلالی، تحقیقی اور اجتہادی قوت و صلاحیت پیدا کریں اس دور کو علم و سائنس اور نظریات کا دور کہا جاتا ہے جو قوم اپنے نظریات کو مدلل مثبت اور عقلی و علمی لحاظ سے قابل عمل ثابت کردے گی وہی امامت کے منصب پر فائز ہوگی۔

موجودہ دور میں علم و سائنس کی جو اہمیت ہے وہ کسی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں مجدد مودودی رحمۃ اللہ علیہ علم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

> امامت کا دامن ہمیشہ علم سے وابستہ رہیگا انسان کو بحیثیت نوع کے زمین کی خلافت ملی ہی علم کی وجہ سے ہے اس کو سمع، بصر اور فواد میں خیر جب ایسی دی گئی ہیں جو دوسری مخلوقات ارضی کو یا تو دی نہیں گئیں یا اسکی بہ نسبت کمتر دی گئی ہیں اس لئے۔

وہ اس بات کا اہل ہوا کہ دوسری مخلوقات پر خداوند عالم کا خلیفہ بنایا جائے" اور خود اس نوع میں جو طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں دوسرے طبقوں اور گروہوں سے آگے بڑھ جائے گا وہ اسی طرح ان سب کا امام بنے گا جس طرح انسان من حیث النوع دوسری انواع آراضی پر اسی خیر کی بنا پر خلیفہ بننے کا اہل ہوا ہے۔"

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

انقلاب امامت کیلئے انقلاب تعلیم اگر ضروری
دوسری طرف ہم ایک تحریکی نقطہ نظر اور مثبت انداز فکر کے حامل ہیں اور یہ ایک درسگاہ ہی نہیں تربیت گاہ بھی ہے جہاں سے تحریکی اور انقلابی مزاج اور نظریات رکھنے والے افراد اخلاقی اقدار دینی شعائر اور اسلامی اخلاق و کردار کے سانچے میں ڈھل کر نکلتے ہیں اور باخدا شناس ماحول میں خدا شناسی اور خدا پرستی کی شمعیں روشن کرتے ہیں۔ آپ کو بھی فراغت کے بعد خدا بیزار اباحیت پسند اور مادیت زدہ ماحول میں جانا ہے اور اپنے علم و عمل کی روشنی سے ماحول کو تابناک بنانا ہے لیکن اگر آپ نے اس مقصد کے حصول کیلئے آغاز سال سے سعی و جہد نہ کی تو ہو سکتا ہے کہ آپ پر "چراغ تلے اندھیرا" کی مثل صادق آ جائے۔ اس لئے آپ ابھی سے یہ کوشش کریں کہ آپ اسلام کی منہ بولتی تصویر ہوں اسلامی تعلیمات کی روشنی سے آپ کی زندگی کا ہر گوشہ منور ہو اس لئے کہ آپکو امامت کے منصب پہ فائز ہونا ہے ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس کے ساتھ میں اپنی بہنوں سے ان کے مقام اور مرتبہ کے بارے میں کچھ کہنا چاہوں گا۔

عورت کو نصف انسانیت کہا جاتا ہے ہر دور اور ہر زمانہ میں عورت کی اس حیثیت کو تسلیم کیا گیا۔ دنیا میں آج تک جتنی قوموں کو عروج نصیب ہوا ہے یا جتنی بھی عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں وہ اس پھولوں سے نرم اور آبگینوں سے زیادہ نازک عورت کی گودمیں پروان چڑھی ہیں اور اسی کی چشم آبرو کی شکن سے پل بھر میں حباب کی مانند بیٹھ گئیں ؎

مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطون

ماں کی گود کو بچہ کی اولین درسگاہ قرار دیا گیا بچے کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی ہم آہنگی کے ساتھ تعمیر عورت کی رہین منت ہے نپولین نے ایک بار کہا تھا "تم مجھے ایک اچھی ماں دیدو تمہیں ایک بہترین قوم دیدوں گا"

عورت کے اس اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ عورت کو اس کے مقام و مرتبہ اور دائرہ کار کا لحاظ کرتے اس کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا جائے۔ فرصت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے جامعۃ الفلاح میں شعبۂ نسواں کی بنیاد رکھی گئی۔ تاکہ یہاں سے تعلیم حاصل کرنے والی طالبات جب فارغ ہو کر جائیں تو وہ علم و عمل کا زیور شرم و حیاء کی ردا زیب تن کئے ہوئے ہوں آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ابھی سے اپنے کو ان اوصاف و خصائل کا حامل بنائیں جو آپ کی عائلی زندگی کو خوشبو سے بھر دیں۔ بقیہ صفحہ ۴۲ پر

ڈاکٹر بدیع الزماں اطہری
سینیر ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی
بنارس ہندو یونیورسٹی

Islam and Mohammadanism

اسلام کیا ہے؟

اسلام اور محمڈن ازم

اسلام کیا ہے!

دنیا کے سبھی بڑے مذاہب میں اسلام کو اس بارے میں امتیاز حاصل ہے کہ اس کا نام "اسلام" تمام مذاہب کے مقابلہ میں شاندار اور پرمعنی ہے جو نام اپنی فطری خصوصیت کا حامل ہے۔ "اسلام" ایک عربی لفظ ہے جو "سلام" سے مشتق ہے اس کے معنی امن و سلامتی اور سپردگی کے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ "امن" اس کا پہلا اور سپردگی دوسرا معنی ہے[1] اور بعض کے نزدیک اسلام کا پہلا معنی سپردگی اور دوسرا معنی امن و سلامتی ہے[2] لیکن اسلام کو حقیقی معنوں میں سمجھنے کے لئے دونوں ہی معانی یکساں اہم ہیں۔ اسلام کے معنی امن و سلامتی اور سپردگی دونوں کے ہیں۔ رضائے خداوندی کے سامنے خود سپردگی کے نتیجہ میں امن و سلامتی حاصل ہوتی ہے[3] حقیقت یہ ہے کہ انسان کو کامل امن و سلامتی بھی نصیب ہو سکتی ہے جب کہ وہ اپنی پوری زندگی وحدہٗ لاشریک کی خوشنودی کے حوالہ کر دے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص حقیقی معنوں میں جسمانی اور روحانی امن و سکون حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے یہ ضروری ہے وہ معبود حقیقی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اطاعت و فرمانبرداری کی ایسی زندگی دل میں امن و سکون اور معاشرہ میں وسیع پیمانہ پر صلح و آشتی قائم کرتی ہے[4] اسلام کا مطلب ہے امن و سلامتی میں داخل ہونا اور مسلم وہ ہے جو خالق اور مخلوق دونوں سے اپنی امن و سلامتی کا رشتہ قائم رکھے[5] خدا تعالیٰ سے امن و سلامتی کا رشتہ قائم رکھنے کا مطلب ہوتا ہے اس کی خوشنودی کے سامنے اپنے آپ کو حوالہ کر دینا[6] اور مخلوق سے رشتۂ امن و سلامتی قائم رکھنے کا مطلب اس کو نقصان نہ پہونچانا اور جہاں تک ممکن ہو اس کی خیر خواہی کرنا۔ قرآن مجید میں ان دونوں باتوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہی اسلام کا جوہر ہے[7] اس طرح اسلام امن و سلامتی، خود سپردگی، خالق کائنات کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے فرمان کو قبول کر لینے کا مذہب ہے۔

اس بات کو بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ کی رضا کے آگے اپنے آپ کو محض سپرد کر دینا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ حصول خیر کے لئے تاحیات اس کے احکام پر سرگرم عمل رہنا ہے اس بات کی تصدیق سید امیر علی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ موصوف کی اصل عبارت کا ترجمہ یوں ہے "جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ "اسلام" جس کا مفہوم محض خدائے تعالیٰ کی خوشنودی پر اپنے آپ کو سپرد کر دینا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ بھلائی اور سچائی کے لئے جہاد بھی کرتے رہنا ہے[8] جو کہ امن و سلامتی اور خود سپردگی کی ابتدائی شرط ہے۔

اسلام کا اعلیٰ ترین مفہوم وہ ہے جو انسانی ذہن کو اس بات کا کامل یقین دلاتا ہے کہ دنیا میں خدائی طاقت

کے ماتحت حکم فطرت نافذ ہے عـ۹ اسلام ایک طریقۂ حیات ہے۔ زندگی کی طرف ایک رجحان ہے اور نظم و نسق کا ضروری اصول ہے عـ۱۰

اسلام اور محمڈن ازم (MUHAMMADANISM)

علمائے مغرب مذہب اسلام کے لئے اسلام کے بجائے اکثر (MUHAMMADANISM) کا لفظ استعمال کرتے ہیں عـ۱۱ اس لفظ کو شاید وہ اس غلط فہمی کی وجہ سے استعمال کرتے ہیں کہ دیگر مذاہب کی طرح یہ بھی محمدؐ کا ایجاد کردہ ایک مذہب ہے۔ جس طرح کہ BUDDHISM (مذہب بودھ) اور (CHRISTIANITY) (عیسائی مذہب) کے بانی گوتم بودھ اور CHRIST (عیسیٰ مسیح) تھے عـ۱۲

واقعہ یہ ہے کہ سبھی بڑے بڑے مذاہب کے نام ان کے بانی یا ان کے فرقہ اور قوم کے نام پر رکھ لئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر عیسائیوں کے خیال کے مطابق موجودہ عیسائی مذہب (CHRISTIANITY) کے موجد CHRIST تھے، BUDDHIZM کے بانی گوتم بودھ تھے۔ ZOROASTRIAN-ISM کے بانی SOROASTER تھے اسی طرح JUDISM (یہودیوں کا مذہب) کا نام فرقہ JUDAH کے نام پر رکھا گیا ہے۔ لیکن مذہب اسلام کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اسلام کا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے اس لئے کہ اس کا تعلق کسی خاص فرد، قوم یا ملک سے ویسا نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مذہب کا ہے۔ پیغمبر محمدؐ نے کبھی بھی اس مذہب کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا وہ تو محض لوگوں تک اس مذہب کو پہونچانے کے لئے خدا کی طرف سے منتخب کئے گئے تھے جو مذہب نسل انسانی کے لئے صلح و آشتی اور امن و سلامتی کا ایک پیغام تھا عـ۱۳ محمدؐ تو محض اللہ تعالیٰ کے رسول (PROPHET) تھے جس کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام لیا گیا۔ لفظ "MUHAMMADANISM" نہ تو قرآن مجید میں ہے۔ نہ ہی حدیث رسول میں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہے اس نظام حیات کا نام اسلام ہے عـ۱۴ اور پیغمبرؐ نے بذات خود اس نام کا انتخاب فرمایا تھا۔ اس کی تشکیل خود وحدہٗ لاشریک نے کی ہے نہ کہ محمدؐ نے۔ محمدؐ نے خدا کی طرف سے لوگوں تک اس کی نشر و اشاعت کی۔ آپؐ جو کچھ بھی دین کی باتیں بتاتے پہلے بذریعہ وحی آپ کو بتا دی جاتیں۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہتے خود قرآن کا ارشاد ہے "ما ینطق عن الھویٰ" (وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے)

مسلمان محمدؐ کی عبادت نہیں کرتے گوکہ وہ اس روئے زمین پر بھیجے گئے سبھی پیغمبروں سے آپؐ کو رتبہ میں افضل و اکرم تسلیم کرتے ہیں عـ۱۵ جب وہ آپکا نام لیتے ہیں تو صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں جس کا مطلب ہوتا ہے ان پر خدا کی طرف سے رحمت و سلامتی نازل ہو، مسلمانوں کے لئے محمڈن ازم MUHAMMADANISM ایک توہین آمیز نام ہے اس لئے کہ اس نام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا بانی و موجد نعوذ باللہ محمدؐ ہے جو کہ ایک انسان ہے جب کہ یہ صرف خدا کا دین ہے۔ اسلام کو محمڈن ازم کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ CHRISTIANITY کو PAULISM کہنا۔ اس مذہب کا نام اسلام ہے صرف اسلام عـ۱۶

مسلم کون ہے؟

جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام کے معنی اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کر دینے کے ہیں۔ جو شخص اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے وہ مسلم ہے عـ۱۷ یہ لفظ اسم فاعل (SUBJECT) ہے جس کا مصدر اسلام ہے اور جس کے معنی مطیع و فرمانبردار ہونے کے ہیں۔ "اسلم امرہ الی اللہ" کا مطلب ہے اس نے اپنا معاملہ اللہ کو سپرد کر دیا۔ اس لفظ مسلم کو مختلف قوموں نے اچھے اچھے طریقہ سے اپنایا ہے

علمائے مغرب اس کو MOSLEM کہتے ہیں۔ فارسی میں مسلمان اور فرنچ FRENCH میں MUSULMAN کہا جاتا ہے۔ ANGLO INDIAN والے اس کو MUSSALMAN کہتے ہیں ۱۸

مذہب اسلام کے ماننے والے اپنے لئے صرف لفظ "مسلم" کو صحیح سمجھتے ہیں وہ لفظ محمڈن کو اپنے لئے غلط اور توہین آمیز خیال کرتے ہیں۔ CHRISTIAN (عیسائی حضرات) CHRIST (عیسیٰ مسیح) کی عبادت کرتے ہیں اس لئے ان کے لئے یہ نام مناسب ہے لیکن مسلمان محمدؐ کی عبادت نہیں کرتے نہ ہی خدا کی کسی صفت میں ان کو شامل کرتے ہیں باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اس روئے زمین پر بھیجے گئے سبھی پیغمبروں سے محمدؐ کا مرتبہ اعلیٰ و افضل ہے ۱۹

لفظ "مسلم" کے وسیع مفہوم میں کائنات کی ہر چیز مسلم ہے اس لئے کہ وہ اپنی خود سپردگی کے ذریعہ خدا ہی کی فرمانبرداری اور عبادت میں لگی ہوئی ہے۔ ENTIRE CREATION [illegible] ATIAN۔ یا ان خداوندی کی فرمانبرداری میں مشغول ہیں اس لئے پوری کائنات اس مذہب کی پیرو ہے کیونکہ اسلام کے معنی ہی ہیں اپنے آپ کو خدا کے مطیع و فرمانبردار بنا دینا۔ سورج، چاند، ستارے اور دوسرے سبھی آسمانی سیارے مسلم ہیں۔ اسی طرح ہوا، پانی، گرمی، جمادات، نباتات اور حیوانات (غیر ناطق) بھی مسلم ہیں۔ یہاں تک کہ وہ آدمی بھی جو خدا کو نہیں مانتا اور اس کے علاوہ کسی اور کی پوجا کرتا ہے مہد سے لیکر لحد تک اس کا ہر عضو اس قانون خداوندی کا پیرو اور مطیع ہے۔ ۲۰

لفظ "اسلام" کے مخصوص معنی کے لحاظ سے مسلم ہونے کے لئے مذہب اسلام کے ضروری ارکان کی ادائیگی واجب ہے۔ ایک مسلم کو اس بات پر کامل عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اسکے بندے اور رسول ہیں۔ خدا کی کسی بھی صفت میں کسی کو [illegible] کرنا شرک کہلاتا ہے جو شرک کرتا ہے اسکو مشرک کہتے ہیں۔ کافر و کیطرح مشرکین کی بھی بخشش نہ ہوگی۔ ایک مسلم کو ۲۴ گھنٹے میں پانچ بار نماز ادا کرنی [illegible]

رمضان کا روزہ (FAST) رکھنا پڑتا ہے اور اگر اس کے پاس اتنا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ تو اس پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہے ۲۱ ساتھ ہی ساتھ ایک سچے مسلمان پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلائے اور انہیں بھی سلام کرے جن کو وہ جانتے ہیں اور انہیں بھی جن کو وہ نہیں جانتے ۲۲ ایک مسلم صحیح معنوں میں اس وقت تک مسلم نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی مذہب و ملت کی تفریق کئے بغیر دوسرں کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے ۲۳

جو شخص مذہب اسلام کو قبول کرتا ہے وہ بھی مسلم ہے جس طرح ایک سچا مسلم اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کے حوالے کر دیتا ہے اور ارکان اسلام کی ادائگی کرتا ہے ۲۴ قرآن کے مطابق پیغمبر محمدؐ سے پہلے اس روئے زمین پر بہت سے انبیاء آئے، اسی طرح قرآن مجید سے پہلے کئی آسمانی کتابیں نازل کی گئی ہیں۔ ان سبھی انبیاء اور آسمانی کتابوں پر ایک مسلم کے لئے ایمان لانا ضروری ہے بعض انبیاء اور چند صحف آسمانی کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے اور بعض کا نہیں ہے تمام مقدس کتابوں میں قرآن مجید آخری اور افضل کتاب ہے چونکہ اس سے پہلے کی مقدس کتابیں تحریف کی شکار ہو گئیں اور کلام الٰہی اور کلام انسانی میں امتیاز باقی نہ رہا اس لئے اس آخری کتاب کی ضرورت پیش آئی جس کے تحفظ کی ذمہ داری خود خداوند عالم نے اپنے سر لے لی۔ اب صرف اس کے [illegible] صحف مقدسہ پر ایمان لانے کا مطلب محض یہ ہے کہ قرآن مجید سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے کتابیں نازل کی ہیں۔ خدا نا خواستہ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص موجودہ کسی اور کتاب مقدس کے احکام پر عمل پیرا ہے تو وہ صراط مستقیم پر ہے اس لئے کہ قرآن مجید کے علاوہ کسی اور کتاب کا اعتبار ضائع ہو چکا ہے۔ قرآن مجید میں سبھی ضروری بنیادی احکام موجود ہیں ۲۵

اسی طرح لفظ "مسلم" کے وسیع مفہوم کو ہم تین مراتب میں بکھرا ہوا پاتے ہیں۔

۱۔ مسلم کے اس مفہوم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو قانون قدرت اور نظام فطرت کو قبول کرتا ہے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے مسلم، عیسائی، جینی، بدھسٹ، یہودی، نصاریٰ اور دیگر سبھی مسلم ہیں اس لئے کہ یہ سبھی غیر شعوری طور پر نظام فطرت کو ماننے کے لئے مجبور ہیں۔ مثال کے طور پر ہر آدمی دیکھنے، سننے، چکھنے، چھونے، سوچنے سمجھنے اور دیگر ضرورتوں کی تکمیل کے لئے بدن انسانی کے وہی اعضاء استعمال کرنے کے لئے مجبور ہیں جن اغراض کے تحت ان کی تخلیق ہوئی ہے۔

۲۔ مسلم کا یہ مفہوم وسیع ترین ہے جس میں سبھی مخلوقات شامل ہیں اس لئے کہ کائنات کی ہر شئی قانون فطرت کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے۔ جمادات بول نہیں سکتے، نباتات چل نہیں سکتے۔ انسان اڑ نہیں سکتا چوپائے سوچ نہیں سکتے، شیر گھاس نہیں کھا سکتا، بکری گوشت نہیں کھا سکتی۔ سورج مغرب سے نکل نہیں سکتا ستارے زمین پر نہیں جھک سکتے، ریت سے تیل نہیں نکل سکتا پانی سے بالائی نہیں بنائی جا سکتی۔ کنکر سے پیٹ نہیں بھرا جا سکتا۔ غرض کہ اصول فطرت سے کائنات کی کوئی بھی مخلوق منہ نہیں موڑ سکتی۔

۳۔ مسلم کے اس مخصوص مفہوم میں وہی لوگ شامل ہیں جو رضائے خداوندی کے آگے اپنی مکمل خود سپردگی ہی کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ ان کی پوری زندگی رضائے الٰہی کے مطابق ہوتی ہے وہ ارکان اسلام کی ادائگی ہی پر بس نہیں کرتے بلکہ فرمان الٰہی کے مطابق حقوق العباد پر بھی ان کی پوری توجہ ہوتی ہے کسی کو بھوکا دیکھ کر ان کا دل بے چین ہو جاتا ہے وہ جھوٹ، فریب، عیاری اور ظلم سے نفرت کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرتے ہیں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔

حواشی

ع۱ ترجمہ: "اسلام کا پہلا معنی پُرسکون ہونا، پُرامن ہونا، کسی کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا، ادائگی سے فارغ ہونا، مکمل سلامتی میں ہونا، اس کا دوسرا معنی اپنے آپ کو اس کے (خدا کے) سپرد کر دینا جو امن و سلامتی کا خالق ہے۔"

SYED AMIR ALI, "SPIRIT OF ISLAM" METHUEN & CO. LTD. LONDON 1922 P. 137

"اسلام جس کا پہلا معنی امن و سلامتی اور دوسرا معنی سپردگی ہے"

HUSTON SMITH, THE RELIGION OF MAN - NEW AMERICAN LIBRARY 1958, P. 201

"لفظ 'اسلام' کا مطلب ہے امن و سلامتی میں داخل ہو جانا"

MAULANA MOHAMMAD ALI · THE RELIGION OF ISLAM

S. CHAND & CO. LTD. DELHI, P. 2

"اسلام کے لفظی معنی امن و سلامتی کے ہیں"

D.A. HAQUE ANSARI, "FAITH AND PRACTICE THEOLOGY AND ETHICS"

PUNJAB UNIVERSITY, PATIALA, 1969, P. VII

"اسلام اصل ہے جس سے امن و سلامتی نکلی ہے: اس طرح اسلام امن و سلامتی کا افضل مذہب ہے"

U.A. SHAIKH, "IN QUEST OF PEACE AND PROGRESS" POONA 1965, P. 6

"لفظ 'اسلام' کی اصل 'سلم' ہے جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں"

DR. K.G. SAIYIDAIN, "ISLAM: THE RELIGION OF PEACE"

ISLAM AND THE MODERN AGE SOCIETY, NEW DELHI, 1976

۲ اسلام کے معنی سپردگی، حوالہ اور فرمانبرداری کے ہیں۔ اس لئے کہ مذہب اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے سامنے خودسپردگی کا ——— اس کے اسلام نام ہونے کی وجہ ہے

S.A.A. MAUDUDI "TOWARDS UNDERSTANDING OF ISLAM"
TRANS. AND EDITED BY KHURSHAD AHMAD, MARKAZI MUKTABA JAMAT-E-ISLAMI, NEW DELHI, 1960, P. 2

اسلام کے لفظی معنی سپردگی کے ہیں اور مذہبی اصطلاح میں اس کے معنی رضائے خداوندی کے سامنے خودسپردگی کے ہیں۔"

M. JAMALI HANIFI, "ISLAM AND THE TRANSFORMATIOR OF CULTURE"
ASIA PUBLISHING HOUSE, LONDON 1974. P. 12

اس طرح اسلام کے معنی رضائے الٰہی اور قانون خداوندی کے آگے خودسپردگی کے ساتھ ساتھ اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں مشغول ہو جانے کے ہیں۔

M YUSUF ALI "ISLAM: A UNIFYING FORCE"
MURKAZI MUKTABA JAMAT-E-ISLAMI, NEW DELHI, 1973, P. 3

اسلام کا مطلب ہے اپنی من مانی سے دستبردار ہونے کا مذہب یعنی خالق کائنات کی رضا، اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے حکم کے آگے اپنے آپ کو حوالے کر دینا۔ اسلام کے معنی ہیں دستبردار ہونا۔ اپنے آپ کو حوالے کر دینا اور سپرد کر دینا۔ اسلام کا مطلب ہے دستبرداری اور خودسپردگی کا عمل۔

F.A. KLEIN, "THE RELIGIAN OF ISLAM"
PENGUIR BOOKS LTD. LANDAN 1968, P. 1

3 BASIR AHMAD DHAR: QUARANIC ETHICS, INSTITUTE OF ISLAMIC CULTURE, LAHORE 1960, P. 83

4 MAULANA MAUDUDI, OP. CIT. P. 2 - TRANSLATOR'S NATE.

5 M. MUHAMMAD ALI OP. CIT., P. 2

۶ اسلام کے مطابق معاشرہ کی بنیاد کسی ریاست کی طاقت سے قائم نہیں رہ سکتی بلکہ اس کا پورا دارومدار اس بات پر ہے کہ چھوٹے بڑے، امیر غریب اور طاقتور و کمزور سبھی اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے سپرد کر دے۔ اللہ تعالیٰ تو اچھائیوں کا سرچشمہ ہے اعلیٰ ترین اخلاقی نمونوں کا مجسمہ ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنے کا مطلب ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس کے سپرد کر رہا ہے جو اچھائیوں کا منبع ہے یہ کسی بیرونی طاقت کی فرمانبرداری نہیں ہے اپنی ہی مثالی فطرت سے ہماری وفاداری ہے۔
B.A. DHAR, OP. CIT, P. 84

۷ ہاں جو بھی اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کے حوالے کر دیتا ہے جو کہ دوسروں کے لئے اچھائی کا سرچشمہ ہے، وہ اپنے مالک سے انعام پانے کا مستحق ہے اور ایسوں کے لئے کوئی خوف نہیں ہے۔ (بقرہ آیت ۱۱۲)

۸ کتاب مذکورہ ۱۳۹ سید امیر علی

9 U.A. SHAIKH, OP. CIT., P. 1

10 DR. K.G. SAIYIDAIN, OP. CIT., P. 27

۱۱ بعض تو یہ جانتے کے باوجود ایسا کرتے ہیں کہ مسلمان اس کو ناپسند کرتے ہیں۔

12 H.A.R. GIBB, MUHAMMADANISM, OXFORD UNIVERSITY PRESS, 1960, P. 1

13 DR. K.G. SAIYIDAIN P. 161 (کتاب مذکور)

۱۴ لفظ اسلام کا استعمال قرآن مجید میں آٹھ جگہوں پر ہوا ہے مکی سورتوں میں دو اور مدنی سورتوں میں چھ مقام پر۔

۱۴۔ CF. E. ROYSTON PEACKE "MOHAMMAD: PROPHET OF THE RELIGIAN OF ISLAM" WEIDEN FELD & NICOLSON LTD. LONDON P. 73

غیر مسلم حضرات کے اس خود ساختہ نام "محمڈن" کو مسلمان ناپسند کرتے ہیں اس لئے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ محمدؐ ایک پیغمبر اور انسان تھے وہ مذہب اسلام کے بانی نہ تھے۔ بلکہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے رسول "PROPHET" تھے جس نے خدا کے حکم کے مطابق اپنا فرض ادا کیا نہ وہ نعوذ باللہ خدا تھے اور نہ ہی خدا کے بیٹے۔

CF. RIADH EI PROUBI: ISLAM WARD LOCK EDUCATIANAL, LANDAN 1970, P. 1

۱۷۔ CF. ROYSTON PIKE: OP. CIT. P. 73

۱۸۔ CF. GIBB, OP. CIT. P. 1 – ALSO "ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS" VAL. 7-P. 437.

تاریخی شرح میں لفظ مسلم کے لئے اس کا استعمال اس آدمی کے لئے ہوا ہے جو معتقد و حکم بردار ہو۔ مسلم وہ ہے جو قانون فطرت پر اچھی طرح سے سرگرم عمل ہے اس کے ساتھ جب وہ DEVOTION دعا و شغل کی بھی ادائگی کرتا ہے تو وہ محسن ہے یعنی وہ آدمی جو اپنی بھرپور کوشش عبادات کی ادائگی میں صرف کر دیتا ہے اور جب ان تمام کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں اخلاص بھی ہوتا ہے تو وہ مومن ہوتا ہے

۱۹۔ CF. ROYSTON PIKE, OP. CIT. P. 73

۲۰۔ MAUDUDI: OP. CIT, P. 3

۲۱۔ یہ ارکان اسلام (PILLARS OF ISLAM) کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور رکن ہے یعنی حج (PILGRIMAGE TO MECCA) جن مسلمانوں کے پاس خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے اتنا مال ہو کہ مصارف سفر برداشت کر سکیں ان کے لئے حج بہت اہم فرض ہے۔

۲۲۔ NON MUSLIMS (CAL-BUKHARI, 116

۲۳۔ BUKHARI, 6 (کتب خانہ رشیدیہ)

۲۴۔ CF. M. M. ALI, OP. CIT, P. 3

۲۵۔ CF. M. YUSUF ALI: OP. CIT, P. 4

مولانا مودودیؒ کے بڑے بھائی ابوالخیر مودودی

کا

بیان

"آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں نے ابوالاعلیٰ کی کوئی کتاب پڑھی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ میں نے اس کی کتاب زندگی پڑھی ہے! آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اس کی کتاب کس کتاب نے مجھ کو متاثر کیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ مجھے اس کی کتاب کردار نے متاثر کیا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں جب حیدرآباد میں ابوالاعلیٰ کو عزت و احترام سے ساڑھے آٹھ سو روپے ماہوار۔۔۔ اس وقت کے ساڑھے آٹھ سو روپے ماہوار آمدنی کی ملازمت مل رہی تھی۔ تو اس اچھی آمدنی کو ٹھکرا کر وہ گھر سے نکلا پردیسیا کی زندگی اختیار کی عزیز و اقربا سے دور ہوا شہری زندگی کے آرام و سہولتوں کو چھوڑ کر جنگل میں ایک بستی آباد کی۔ اس کی آمدنی کل ایک سو روپے کے لگ بھگ تھی۔ نہ صرف ان مصائب و تکالیف کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا بلکہ اپنی بیوی بچوں کے ہمراہ اتنی بڑی قربانی دی آپ غور کیجئے! کہ ہم سے کتنے فی صد اور فی ہزار نہیں بلکہ فی لاکھ لوگ یہ قربانیاں دے سکتے ہیں اپنے حسن کیلئے اپنے بھائی کا یہ ایثار میرے دل پر آج بھی نقش ہے مجھے ابوالاعلیٰ کی کتاب کردار نے بہت متاثر کیا ہے۔"

ڈاکٹر یوسف القرضاوی
عبداللہ فہد فلاحی

ذکریا اور کوڑے کھائے

گذشتہ سے پیوستہ

جاہ و رتبہ کی خواہش، غلبہ و برتری کی حرص، شہرت و ناموری کی بھوک اور مردہ باد سے خوف اور زندہ باد کیلئے دوڑ دھوپ یہی وہ بیماریاں ہیں جو دلوں کو زنگ آلود اور ناکارہ بنا دیتی ہے۔ اسی وجہ سے اخوان المسلمون نے آغاز دعوت سے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ افراد ان دنیوی آلائشوں سے پاک صاف ہوں۔ ہر چیز میں پہلے اللہ ہی کو مطمح نظر بنائیں۔ ہر طرح کے فائدے اور دنیوی منفعت جو اللہ کے نزدیک بیکار ہیں سے دست کش ہو جائیں اور اپنی پوری قوت کے ساتھ ربانیت کی طرف آگے بڑھیں۔ اسی کیلئے افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کا استعمال ہو اور مسائل اور ماحول اس کے لئے سازگار اور ہم آہنگ ہوں۔

اللہ غایتنا

ایمان کے اس پہلو کو اخوانیوں کے تربیتی نظام میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اور اس کی جانب بھرپور توجہ دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ دعوت الی اللہ ہر چیز سے پہلے روحانی و ایمانی دعوت ہے اور اس طرح کی دعوت صرف اللہ تعالی کو اپنا مقصود قرار دیتی ہے اور اس کی خوشی کو اپنی تمام سرگرمیوں کیلئے محرک بناتی ہے۔

اذا صح منک الود فالکل هین   وکل الذی فوق التراب تراب

تیری دوستی صحیح سلامت ہے تو ہر چیز آسان ہے۔ اور اس سرزمین کی ہر چیز اس کے مقابلہ میں مٹی ہے۔ اللہ تعالے صورتوں کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔ کام کے ظاہری ڈھانچے کا نہیں بلکہ اس کے پس پردہ کام کرنے والے اخلاص کا بدلہ دیتا ہے وہ صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو اس کی رضا کے لئے کیا گیا ہو۔ وہ شرک سے تمام بے نیازوں سے زیادہ بے نیاز ہے۔ اور ریا کو شرک خفی کہا گیا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر مشرکانہ عمل پسند کرتا ہے نہ مشرک دل۔ مشرکانہ عمل کی اس کے نزدیک قبولیت نہیں اور مشرک دل کی طرف اس کا توجہ نہیں۔ ارشاد ہے

پس جو اپنے رب کی خواہش مند ہے وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو ساجھی نہ بنائے۔ (الکہف)

اسی لئے یہ بات باعث تعجب نہیں کہ اخوان کی دعوت نے "اللہ اکبر وللہ الحمد" (اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام تعریف اسی کو سزاوار ہے) کو اپنا شعار بنایا ہے۔ جن بلند آوازوں اور نعروں کی اپنے پیرو کاروں کو تلقین کرتی اور ان کے عقل و جذبات میں تخم ریزی کرتی ہے۔ ان میں سب سے اوّل مقام اسی کو حاصل ہے۔ اس کے مقاصد اور بلند مفاہیم یہ ہیں۔ اللہ ہمارا مقصود ہے۔ (اللہ غایتنا)

حسن البنا شہید نے رسالۃ التعالیم میں فہم کے بیس اصولوں کے بعد اخلاص ہی کو بیعت کا دوسرا رکن قرار دیا ہے۔ اس کی تشریح وہ یوں کرتے ہیں۔

یہ کہ مسلم بھائی اپنے قول و عمل اور اپنی دوڑ دھوپ میں اللہ تعالے کی رضا کو اس کی خوشنودیوں کے حصول کو اور آخرت کی کامرانی کو پیش نظر رکھے۔ وہ کسی مال غنیمت کا حریص نہ ہو۔ وہ کسی اقتدار یا جاہ و منصب کا بھوکا نہ ہو وہ کسی طرح کے خطابات و القاب کا امید وار نہ ہو۔ پس اسی صورت

ہی وہ اغراض و منفعت سے بلند ہو کر عقیدہ و نظریہ کا بیباک سپاہی بن سکے گا۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذلک امرت و (انعام ۱۶۲ - ۱۶۳)

کہو میری نماز میرے تمام مراسم عبودیت میرا جینا میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔

دلوں کے امراض اور نفسیاتی بیماریوں کے ماہر حضرات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دعوت اسلامی سے دلچسپی لینے والے افراد کے سامنے سب سے زبردست خطرہ نام و نمود کی خواہش صدارت و لیڈر شپ کی حرص اور اپنے آپ کو نمایاں کرنا کا جذبہ ہوتا ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و رتبہ کی محبت اور شرک خفی یعنی ریا سے ہوشیار فرمایا ہے۔ قرآن و سنت نے داعیان دین کو تنبیہ کی ہے کہ وہ محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی سرگرمیاں انجام دیں اور خدا کے سوا کسی دوسرے سے بدلے یا شکریہ کی توقع نہ رکھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گمنام خاموش انسان کی تعریف کی ہے۔ جو لوگوں کی نظروں کو بچا کر اپنے فرائض بجا لاتا ہے لیکن اس کی طرف انگلیاں اشارہ نہیں کرتیں فرمایا۔

کتنے ہی گرد میں اٹے غبار آلود چہرے ہیں جن کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اگر وہ قسم کھاتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔

خوش نصیب ہے وہ شہسوار جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے۔ سر غبار آلود پیروں میں گرد اگر اسے حفاظتی پاسبانی کا کام دیا جائے تو خوشی سے کرتا ہے۔ اگر پانی پلانے کی ذمہ داری سپرد کر دی جائے تو وہ بھی منظور ہے۔

خدا رحم کرے اللہ کی تلوار خالد پر جنہوں نے قیادت کی تو بہترین قیادت کی اور جب معمولی فوجی کی حیثیت سے فرائض شروع کیا تو نہ کوتاہی کی نہ سرد مہری دکھائی۔

اخوان المسلمون نے اپنے تربیتی نظام میں ان چیزوں کا غایت درجہ خیال رکھا ہے۔ اور ریا نمود و نمود کی محبت کو لوگوں کو کوسوں دور رکھا جس کی وجہ سے اس طرح کے جذبات سرد پڑ گئے۔

گمنام غازی

اسی ایمانی تربیت کا نتیجہ تھا کہ ہماری تنظیم میں سے گمنام فوجیوں کی ایک کثیر تعداد ابھر کر سامنے آئی یا جنھیں ترمذی کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔

نیک ہیں خدا ترس ہیں۔ گمنام ہیں۔ اگر کھو جائیں تو انھیں تلاش نہ کیا جا سکے۔ اور اگر موجود رہیں تو پہچانا نہ جا سکے۔

ہم نے ایسے افراد پائے جن میں انصار کی یہ صفت جھلک رہی تھی۔ جنگ کے وقت کثیر تعداد میں ہوتے ہیں اور طمع کے وقت کم ہی نظر آتے ہیں۔

کتنے ہی افراد تھے جنھوں نے اپنی دولت جائیداد اور اپنی جان تک اس راہ میں نچھاور کر دی ہے۔ لیکن اپنے ناموں کا اعلان کیا نہ اپنی شخصیتوں کا ڈھنڈورا پیٹا۔ کتنے ہی نوجوان تھے جنھوں نے فلسطین میں جنگ کی۔ اور نہر سوئز کیلئے جان کی بازی لگائی اور غازیان دین کے درخشاں کارنامے پیش کئے لیکن اللہ کے سوا کسی اور سے بدلہ یا انعام نہ چاہا۔ اپنی بہادری اور جواں مردی کا اعلان نہ کیا۔ اور اپنے کارناموں کو نمایاں نہ کیا اس خوف سے کہ مبادا خود و تکبر کا شائبہ ہو جائے اور ریاکاری لگا دیں ان کے اعمال اکارت ہو جائیں۔

اس کے بعد تحریک کی ذمہ داری ہے کہ نفسیاتی بیماریوں سے دلوں کو محفوظ کرنے کے لئے انھیں قوت و طاقت کی غذائیں بھی مہیا کرے۔ اور دل کی غذا اللہ سے مسلسل ربط اسکا ذکر و شکر اور حسن عبادت و اطاعت ہے۔

عبادت

اسی وجہ سے اخوان کی تربیت کی پہلی بنیاد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اور یہ تمام انسانوں کی تخلیق کا واحد مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

ترجمہ:- ہم نے جن و انس کو اسلئے پیدا کیا ہے، کہ وہ میری عبادت کریں (سورۃ ذاریات ۵۶)

عبادت ـــ عام معنوں میں، ایک جامع لفظ ہے۔ جس میں اللہ کو محبوب اور پسند باتیں اور اعمال سبھی شامل ہیں۔ لیکن یہاں عبادت سے مراد خاص معنی ہے۔ یعنی خدا کا ذکر و شکر کرکے اس کے شعائر کی انجام دہی کے ذریعہ اس کی قربت حاصل کرنا۔ اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

عبادت کے بنیادی عناصر ـــ جنہیں اخوانیوں نے پوری طرح سے عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) سنت کا التزام اور بدعات سے مکمل اجتناب

اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس موضوع پر فاضل دوست شیخ سید سابق نے فقہ السنہ نام کی کتاب لکھی جس کا مقدمہ حسن البنا شہید نے لکھا اور اس کی تعریف کی ہے۔ اس سے پہلے اخوانیوں کے ارگن ہیں اس کے بہت سے حصے شائع ہو چکے تھے۔ کتاب کی تصنیف میں شرعی دلائل کا سہارا لیا گیا ہے۔ اور اخوان کے فقہی مسلک کی نمائندگی کی گئی ہے۔

(۲) فرائض کا اہتمام

اللہ تعالیٰ نوافل کو اسی وقت قبول کرتا ہے۔ جب فرائض بھی ادا کئے جائیں۔ بخاری کی روایت ہے حدیث قدسی ہے۔ میرے بندے کو مجھ سے قریب کرنے والی سب سے محبوب چیز فرائض کی ادائیگی ہے اس لئے فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی یا تساہلی ناقابل معافی ہے۔

(۳) نماز با جماعت کی ترغیب

مسالک کے اختلاف کے ساتھ یا تو فرض عین ہے۔ یا فرض کفایہ ہے یا سنت مؤکدہ ہے۔ چنانچہ اخوان لوگ جیل خانے میں جب مقید کئے گئے تو انھوں نے اس کے ہر حصے میں فوراً مسجد بنائی جہاں فریضۂ جمعہ کی ادائیگی کے ساتھ ہر نماز میں اکٹھا ہوتے تھے۔ شیخ غزالی کی دعائیں مجھے ابھی تک یاد ہیں۔ وہ ہر نماز میں ہماری امامت کرتے تھے۔ اور آخری رکعت میں دعائے قنوت میں اللہ کو یوں فریاد کرتے تھے۔

اے اللہ تو اپنی قوت سے ہماری بیڑیوں کو کھول دے اپنی رحمت سے ہماری ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑ دے۔ ہم پر اپنا خصوصی نظر عنایت کر، اخدایا ہماری برائیوں پر پردہ ڈال دے اور ہمیں ہر قسم کے خوف اور ڈر سے محفوظ رکھ!!

(۴) نوافل کی تشویق

اوپر کی حدیث قدسی میں ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہونا چاہتا ہے۔ یہاں تک میں اسے چاہنے لگتا ہوں۔ دعوت دین کے طفیل میں کتنے ہی ایسے افراد نے پرورش پائی جو روزہ رکھنے والے تھے۔ اللہ کی اس آیت کے مصداق تھے۔

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا

ان کے پہلو بستروں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ وہ اللہ کو خوف و طمع کی حالت میں اللہ کو پکارتے رہتے ہیں۔ لوگوں نے انھیں اسی حالت میں پایا۔ جس حالت میں اس کو پہلے صحابہؓ و تابعین کو پایا گیا تھا کہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار تھے۔ ان کے ایک شاعر نے انھیں کی زبان میں تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔

ہم لوگ رحمت و لطافت کا پیکر ہیں، ہمارے اوپر غم کی بدلیاں چھائی رہیں۔ تو ہماری مجلسیں حزن و حسرت سے بھر جاتی ہیں۔

ہم سخت جان فوجی ہیں۔ ہمیں کوئی جنگ کے میدان میں للکارتا ہے۔ تو ہم وہ شیر ہوتے ہیں جو بزدلی، دلیت

جیسی سے واقف نہیں۔

حسن البنا شہید نے مناجات پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے تہجد اور شب بیداری کی فضیلت اور دعا استغفار کی منزلت واضح کی ہے۔ اور اسی سلسلہ کی آیات و احادیث اور اقوال نقل کئے ہیں۔ خود سید شہیدؒ نے رات کی تاریکی میں عبادت اور قیام کا لطف حاصل کیا ہے۔ جب کہ لوگ میٹھی نیند کے مزے لیتے ہیں۔ انھوں نے شب بیداری اور اطاعت گزاری سے سرور حاصل کیا جب کہ دوسرے لوگ لہو ولعب میں مست رہے۔ اللہ کا خوف اور اس کی خشیت سے نیکو کاروں کی طرح روتے رہے جب کہ خطا کار قہقہہ لگاتے رہے اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے وہ اکثر شاعر کا یہ شعر پڑھتے۔

مجھے چھوڑ کر دوسروں کی خاطر شب بیداری باطل ہے
مجھے چھوڑ کر دوسروں کے کھو جانے پر آنکھوں کا آنسو بہانا ضائع ہے

ایک دوسرے شاعر کے یہ اشعار بھی دوہراتے!!

وہ دل جس میں تو بسا ہو، اسے چراغوں کی ضرورت نہیں ہے
یہی متوقع رہنا ہمارے لئے کافی ہے جس دن لوگ مختلف دلائل کا سہارا لیں گے

یہ جذبات اور ان کی تخم ریزی پر اصرار نے اخوانیوں کے عقلوں اور ان کے دلوں کو منور کر دیا ہے۔ ایک ایسی نسل پروان چڑھی جو اپنی راتیں خوف خدا کے آنسوؤں میں کاٹتی ہے اور اسی کے خوشنودی کے لئے دن کو بھوک پیاس رہتی ہے۔ جاڑے کی سردی بھی اسے قیام لیل سے نہیں روک سکتی اور لو دھوپ کی تمازت روزہ رکھنے سے محروم رکھ سکتی اس لئے کہ انھیں اپنے رب کی عبادت ہی میں نشاط و سرور ملتا ہے۔ اس کی اطاعت ہی میں لذت و فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس کے حضور کھڑے ہونے کو وہ باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسی سعادت جس کے بارے میں کسی پرانے بزرگ نے کہا تھا کہ اگر اس سعادت کا بادشاہوں کو علم ہو جائے تو اس خاطر وہ ہماری گردنیں اڑا دیں۔

مجھے طور کے جیل خانے میں تہجد گزاروں کی صفیں ابھی تک یاد ہیں۔ جہاں رات کا تہائی حصہ بیت جانے کے بعد کوئی اخوانی موثر انداز میں یوں صدا لگاتا ہے۔ اے سونے والو! نیند میں مست جوانو!

اٹھو اس زندہ ذات کو یاد کرو جسے نیند نہیں آتی۔ تمہارا مولا تمہیں اپنے ذکر کی دعوت دے رہا ہے۔ اور تم ہو کہ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہو۔

چنانچہ سونے والے بیدار ہوتے بوجھل افراد ہلکے ہوتے! اور سست لوگ اٹھ کھڑے ہوتے تاکہ رات کی اس مبارک گھڑی میں اللہ کی خوشبو پا سکیں اور شب بیداری کی برکت حاصل کر سکیں۔ شب بیداری کے اس مکتب میں نمازوں کا سرور حاصل ہوتا ہے۔ دعائیں مانگی جاتی ہیں قرآن خوانی ہوتی ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر آیات پڑھنے اور رب سے ملنے کا نادر موقع ملتا ہے۔ اس سے روح کو بالیدگی اور قلب کو آمادگی میسر آتی ہے۔ انھیں اور اور دو وظائف اور نوافل و شب بیداری سے ایک مسلم رسالت کی ذمہ داریوں کو اٹھانے کی سکت اور ہمت اپنے اندر پاتا ہے اور نبوت کی وراثت کی پوری کاوش اور ایمانداری کے ساتھ حفاظت کرنے کا عزم محسوس کرتا ہے۔ جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا اور پوری امت تک اس کو پہونچایا تھا آپ کو آغاز دعوت ہی میں مکی دور میں اللہ نے فرمایا تھا۔

یا ایہا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا انا سنلقی علیک قولا ثقیلا (مزمل ۵-۱)

اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔

اس مدرسہ سے ــــ مدرسہ شب بیداری و قرآن خوانی

ایسے خدا پرست نوجوان نکلے جنھوں نے ہمارے سامنے اسلاف کی سیرت تازہ کر دی۔ ہم نے ان خدا پرست نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ پوری زندگی سوموار اور جمعرات کو مسلسل روزہ رکھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے۔ انھوں نے میدان جہاد میں اس سنت پر عمل کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی پیش گوئی حاصل کی۔

جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھا تو خدا اس دن کے طفیل میں اس کے چہرے کو جہنم کی بھڑکتی آگ کو ستر سال تک دور رکھے گا۔ (بخاری)

میدان جہاد میں ان مجاہد بھائیوں میں سے کسی کو روزے کی حالت میں زخم لگا۔ اس کے سامنے عالم نزع میں پانی کے چند قطرے پیش کئے گئے۔ تو اس نے بڑی جرأت سے کہا رہنے دو میں اپنے رب سے روزہ کی حالت میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں!!

ذکر الٰہی کی رغبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا (احزاب ۴۱، ۴۲)

ترجمہ:- اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو!!

سب سے بہترین ذکر قرآن حکیم کی تلاوت ہے۔ اس کے ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اخوان کو اس بات کی تاکید کی جاتی ہے۔ ہمارا ہر بھائی روزانہ قرآن کریم کا ایک متعین حصہ پڑھے۔ اور اسے تجوید کے قاعدوں کی روشنی میں بہترین انداز میں پڑھے۔ ہر ہر مقام پر ٹھہر کر غور و فکر کرے اس لئے کہ اگر کسی قرآت سے پہاڑ ہلا دیئے جاتے یا زمین کا سینہ چاک کر دیا جاتا یا اس سے مردے بولنے لگتے تو یہ قرآن ہی ہو سکتا ہے۔

ذکر کی شکلیں اور اس کی صورتیں مختلف ہیں۔ اس میں تسبیح، تحمید، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد، اللہ اکبر کی تکرار، دعا، استغفار اور نبی کریمؐ پر درود و سلام بھیجنا شامل ہے۔

ان تمام شکلوں میں اخوان نے ذکر کے مسنون طریقوں اور کلمات کا ہی اہتمام کیا ہے۔ اس کے کئی وجوہ ہیں۔

(۱) مسنون دعائیں اپنے مضمون اور اسلوب میں یکتا اور منفرد ہیں۔ دوسری دعائیں ان کے پایہ کو کبھی نہیں پہونچ سکتی۔ یہ دعائیں اور وظائف اپنی لطیف جوہر، حیرت انگیز فصاحت و بلاغت اور وضاحت نیز تاثیر میں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ نیز نبوت کی برکتیں ہیں۔

(۲) غیر مسنون کلام میں افراط و تفریط کا شائبہ ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے قیل و قال کا نشانہ بن سکتا ہے۔ اس لئے مشکوک و مشتبہ چیزوں کو چھوڑ کر غیر مشتبہ چیزوں کو اختیار کیجئے!!

(۳) مسنون ذکر میں دوہرا اجر ہے۔ ایک تو ذکر کا دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا کسی عقلمند کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اتباع کے مفت اجر کو ضائع کرے۔

اسی وجہ سے حسن البناؒ شہید نے مسنون دعائیں اور اوظائف پر مشتمل ایک رسالہ کی تالیف کا اہتمام کیا جسے ماثورات کا نام دیا۔ انھوں نے امام نووی تصنیف الاذکار اور امام ابن تیمیہؒ کی تالیف الکلم الطیب سے اس میں استفادہ کیا ہے۔

کوئی اخوانی ایسا نہیں ہوگا جس کے پاس یہ رسالہ نہ ہو اور ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوگی۔ جو اسے یاد نہ رکھتے ہوں۔ اور صبح و شام ان کا ورد نہ کرتے ہوں۔ ہمارے بہت سے بھائی ایسے بھی ہیں۔ جنھوں نے دعاؤں کی یاددہانی کے لئے مناسبت سے ذرائع بھی اختیار کر رکھے ہیں۔ شب خوابی کے کمرے میں نیند اور بیداری کے اذکار ایک چارٹ پر لٹکا رکھے ہیں۔ کھانے کے کمرے میں ایک دوسری تختی لگا رکھی ہے۔ جس میں کھانے پینے کی دعائیں درج ہیں۔ دروازہ

پر داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں۔ آنے جانے والوں کو متوجہ کرتی رہتی ہیں اور گاڑیوں میں سواری کی دعا مسافر کو اپنے رب کی حفاظت اور پناہ میں آنے کی دعوت دیتی ہے وغیرہ۔

دینی شعور کی بیداری اور انفرادی شخصیت کا ارتقاء کے لئے اور نفس امارہ پر نفس لوامہ کو غالب رکھنے کے لئے اخوان نے جو مسائل و ذرائع اختیار کر رکھے ہیں۔ احتسابی جائزے کی نمایاں حیثیت ہے۔ یہ چارٹ مطبوعہ ہے۔ اس میں انسان کو اس کے اندرون کی طرف متوجہ کرنے والے سوالات درج ہوتے ہیں۔ ہر اخوانی بھائی پر واجب ہے کہ وہ ہر سوال کا مثبت یا منفی جواب دے تاکہ وہ اچھائی یا کوتاہی کا احساس کر سکے۔

یہ احتساب اس وقت ہو جب کہ وہ شام کو بستر پر سونے کے لئے جا چکا ہو تاکہ دن بھر کی کمائی کا جائزہ لے سکے۔ اور یہ احتساب صرف اس کے اور نفس کے درمیان ہونا چاہیئے جس کا نگراں اللہ کے سوا اور کوئی نہ ہو۔

کچھ سوالات یہ ہیں؟

کیا تم نے تمام نمازیں وقت پر ادا کی ہے؟

کیا انہیں جماعت سے ادا کی ہے؟

کیا آج قرآن کا روزانہ مقررہ نصاب تلاوت پورا کیا؟

کیا مسنون دعائیں آج پڑھی ہیں؟

کیا اپنے کسی بھائی سے صرف اللہ کے لئے ملاقات کی ہے؟

وغیرہ وغیرہ۔

نشاط پریس

✱ عکسی اور لیتھو کی معیاری کتابت ✱ لیتھو کے علاوہ ونڈائنگ طباعت

✱ بلاک کے ذریعہ مختلف رنگوں میں دلکش لیبلیں اور رسیدیں، سرورق

✱ ٹائپ کے ذریعہ اردو ہندی، انگریزی کتابیں فارم وغیرہ

✱ اسکرین پرنٹنگ کے ذریعہ پلاسٹک، ٹین وغیرہ پر خوبصورت طباعت

کاغذ اور بائنڈنگ کا معقول انتظام

آرڈر ملتے ہی کتابیں مکمل حالت میں تیار کرکے بذریعہ پارسل یا ٹرانسپورٹ روانہ کر دیجاتی ہیں

تشریف لائیں یا بذریعہ ڈاک رابطہ قائم فرمائیں آپ کا اطمینان ہمارا اولین مقصد ہے۔

نشاط پریس ٹانڈہ ضلع فیض آباد یوپی۔ پن ۲۲۴۱۹۰

ارشاد احمد صدیقی
۲۵۶ حبیب ہال۔ اے۔ ایم۔ یو

فقر و قلندری
اقبال کی نظر میں

اقبال کی شاعری اردو کے اور شاعروں جیسی نہیں، یعنی حکایات زلف و گیسو داستان وصل و ہجر اور تذکرہ لب و رخسار نہیں ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اقبال کو میر و غالب ذوق و داغ و دیگر شعراء سے ممیز کر دیتی ہے اور اسی چیز نے اقبال کی شاعری کو صرف اردو شاعری میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے شعر و نغمہ میں ایک منفرد مقام عطا کیا۔

اقبال کی شاعری دراصل ایک فلسفہ حیات اور ایک تحریک ہے۔ اقبال کو قدرت نے جہاں فکر و فن کی لازوال دولت سے نوازا وہیں اسے ایک دردمند دل بھی عطا کیا چنانچہ اقبال نے اپنی شاعری کو زندگی کے حقائق کو سمجھانے کا ایک وسیلہ بنایا۔ جب ہم کلام اقبال کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے کلام میں یہ چند اصطلاحیں ملتی ہیں۔ خودی۔ بے خودی۔ عشق، عقل، فقر و قلندری حقیقت میں انکا یہی وہ اصطلاحیں ہیں جنھوں نے کلام اقبال کو لافانیت اور دوام بخشا۔ انھیں اصطلاحوں سے انکے کلام میں فکر و معنی کا ایک بحر بیکراں نظر آتا ہے۔ آئیے ہم انکے اشعار کے آئینہ میں دیکھیں کہ فقر و قلندری کیا ہے۔

فقر کے لغوی معنی ہیں۔ غربت افلاس اور بے مائیگی فقر حقیقت میں ایک بہت قدیم اصطلاح ہے جو مسلمان صوفیوں کے یہاں رائج رہی۔ اقبال نے ان صوفیوں کے فقر کا مفہوم خود ہی بتلایا ہے اور اس فقر سے اپنی بیزاری کا اعلان بھی فرما دیا کہتے ہیں ؎

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانی ؛ تری نگاہ میں ہے ایک فقر و رہبانی
میں ایسے فقر سے اے اہل حلقہ باز آیا ؛ تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال کا فقر کیا ہے۔ ان کا فقر دراصل استغنا اور خودی سے میل رکھتا ہے یعنی انسان کے پاس جتنا بھی ہے وہ اسی پر قانع ہو اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے وہ اپنی خودی کا سودا نہ کرے چنانچہ وہ کہتے ہیں

نہ رہ منت کش شبنم نگوں جام و سبو کرے

ان کے نزدیک دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنا اور منت کش ہونا نہایت معیوب ہے فرماتے ہیں ؎

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

یعنی انسان کا دوسروں کا منت کش ہونا فقر کی روح کے منافی ہے اقبال کی نظر میں تو وہ سلطنت و بادشاہت بھی لاحاصل اور بیکار ہے جو خراج کی گدا ہو اپنے اس خیال کا اظہار انھوں نے یوں کیا ؎

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے ؛ خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

پھر وہ فقر سے متصف شخص یعنی قلندر کی شان یوں بیان کرتے ہیں ؎

ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اقبال کے خیال میں دارا و سکندر سے بھی وہ شخص اولیٰ ہے جس کے اندر فقر ہو کہتے ہیں ؎

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

ان کے خیال میں فقر تخت و تاج سے بلند ترین شے ہے اور تخت و تاج بھی فقر کا قدم چومتے ہیں۔ ان کا یہ شعر اس خیال کی تائید کرتا ہے

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ

اور پھر ان کا نظریہ تو یہ ہے کہ فقر علم و فقہ سے بھی اعلیٰ و ارفع صفت ہے۔ چنانچہ وہ علم کو جویائے راہ اور فقر کو دانائے راہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں

علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
علم فقیہ و حکیم فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ

پھر ایک جگہ فقر کی قوت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں ــــ

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

چونکہ اقبال کی شاعری اسلامی فلسفۂ حیات کی ترجمان ہے اس لئے ان کے مخاطب عام طور پر مسلمان ہیں۔ اقبال کے دور میں ہی مسلم قوم انحطاط و تنزل کی طرف مائل تھی اس لئے اس کے اسباب کو اقبال نے تلاش کیا ہے۔ ان کے خیال میں ایک بڑا سبب اس قوم کا فقر کی صفت سے عاری ہونا بھی ہے۔ اس کا اظہار اقبال نے ان اشعار میں کیا ہے۔

یہ فقرِ مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے ؛ رہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی

تری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے ؛ کھو گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

اقبال کے زمانے میں ہی بہت سے دانشوروں نے مسلم قوم کی تنزلی کا سبب بے زری اور افلاس کو قرار دیا مگر اقبال ان کے اس خیال سے متفق نظر نہیں آتے بلکہ وہ اس کی واضح تردید بھی کرتے ہیں جس کا غماز یہ شعر ہے

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں

پھر وہ اس خیال کو مدلل کرتے ہوئے کہتے ہیں

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو جو شاندار فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں تاریخ شاہد ہے کہ وہ غربت و افلاس کے عالم میں ملیں۔ دراصل یہ فقر کا کرشمہ ہیں۔ اقبال نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے ــــ

اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا ؛ قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

جیسا کہ میں نے پہلے کہا اقبال کے فقر کا لازمی عنصر استغنا و غیرت ہے۔ اگر یہ صفت خارج ہو جائے تو پھر ان کے فقر کا تصور بھی محال ہے چنانچہ اقبال نے مسلم قوم کے دلکش مستقبل کی بشارت اس شرط کے ساتھ دی ہے ــــ

اگر جہاں ہو مری قوم کے جسور و غیور ؛ قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں

ایک اور جگہ انہوں نے واضح طور پر مسلم قوم کی غلامی کا سبب یہی بتایا ہے

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو ؛ کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

فقر کی صفت سے مالا مال شخص کو اقبال نے قلندر کہا ہے اور قلندر کی تعریف یوں کی ہے ــــ

ہر دو سرا انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر
افکار جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں
پوشیدہ نہیں مردِ قلندر کی نظر سے

★★

مرد کامل بننے کا مسئلہ

ترجمہ: مولانا عبدالحکیم، ایم۔اے

ہر انسان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایک حقیقی شخصیت کا مالک بنے فطری طور پر وہ تمام عناصر ہمارے اندر موجود ہوتے ہیں جن سے شخصیتوں کی تشکیل ہوا کرتی ہے اور ہم میں سے ہر انسان کی ذمے داری ہے کہ زندگی ان عناصر کو اسطرح ترتیب دے کہ ایک منفرد شخصیت رونما ہو سکے ــــ ایک منفرد اور ممتاز شخصیت جلوہ آرا ہو جائے

بغیر کسی مبالغے کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دل شکستہ اور غمزدہ حضرات جو کشمکش حیات سے بچ کر چلنا چاہتے ہیں۔ بعموم درگاہ عالم سب سے بڑا المیہ ہے۔ محلوں میں اور جھونپڑوں میں۔ یونیورسٹیوں اور غیر تعلیم یافتہ حلقوں میں۔ زندگی کے ہر میدان میں وہ لوگ جن کی اولین ذمہ داری تھی کہ اپنی شخصیتوں کی عمدہ تشکیل کریں دونوں ہاتھوں سے اپنے آپکو پوری طرح تباہ و برباد کرتے ہیں اور نتیجہ میں وہ اوندھے منہ ایک دنیوی دوزخ میں جا گرتے ہیں۔

شخصیت کی تعمیر میں تین عناصر کی کار فرمائی ہوتی ہے۔ توریث، ماحول اور ذاتی جدوجہد۔ توریث کے باب میں ہم قطعاً ذمہ دار نہیں۔ ماحول بے شک ایک حد تک ہمارا قابو چلتا ہے لیکن معرکہ حیات میں ایک اولوالعزم مبارز کی حیثیت سے قدم رکھنا ہم میں سے ہر ایک کی خصوصی ذمہ داری ہے لیکن جب کوئی اپنے کو مجبور خیال یقین کرتے ہوئے یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے تو پھر اس کا کام صرف اتنا ہی رہ جاتا ہے کہ مقابلہ حیات سے گریز اور فرار کیلئے عقد تراشا کرے

الزام سے بچنے کی خواہش اول اول سب سے نچلی سطح پر قسمت کے لکھنے پر زور دیتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ کرکٹ کی گیند تو خوش قسمت کھلاڑی کی گود میں آ کر گرتی ہے اور ناکامیوں کا سبب شخصی غلطیاں نہیں ہوتیں بلکہ اتفاقات ہوتے ہیں۔ قسمت کے لکھے سے تو خیر کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حیات انسانی میں اس کا نہایت اہم کردار ہے لیکن بالیقین روئے زمین کا سب سے زیادہ شاندار واقعہ ان بدقسمت لوگوں کا وجود ہوتا ہے۔ جو کبھی ہر لحاظ سے حقیقی اور بھرپور شخصیت کے مالک ہوتے ہیں زندگی کے نشیب و فراز میں حادثات زمانہ فیصلہ کن حقیقت نہیں ہوتے بلکہ ان کا رویہ اور طرز

نظر ہوتا ہے جن کے ذریعہ وہ ان سے عہدہ برا ہونا چاہتے ہیں۔

ایک میل دوڑ کا چیمپین گلن کننگھم Glenn Cunningham آتش زدگی کے نتیجے میں جل کر ہاتھ پیر معذور ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کا اتفاق تھا کہ اسے دوبارہ چلنے پھرنے کے قابل بنانے کیلئے ایک معجزہ کی ضرورت ہے۔ لیکن ہمت مردانہ کا کمال دیکھئے، چلتے ہوئے ہل کے دستے سے ٹیک لگا کر گلن نے گھسیٹنے کی مشق کی پھر جب زمین پر چلنے لگے تو اور مشق بڑھائی اور پھر واقعی معجزہ رونما ہو کر رہا اس نے ایک میل کی دوڑ کے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔

بدقسمتی "فی الواقع کوئی عذر نہیں جس طرح تنہا "خوش قسمتی" حقیقی شخصیت کی ضامن نہیں بن سکتی بہت سے لوگ شخصی ذمہ داری کے احساس سے بھاگ کر جذباتی قسمت پرستی کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ الوکھی سہی لیکن یہ کیفیت زندگی کے لئے سکون بخش تو ضرور ہوتی ہے آدمی اگر کل کے پرزے کی طرح مجبور محض ہے تو پھر اس پر کیا ذمہ داری عائد ہو سکتی ہے۔ زیادہ بلند سطح پہ ذمہ داریوں سے بچنے کی خواہش کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی شخصی اوصاف و خصوصیات کو قانون توریث اور ماحول کے سر ڈال دیتا ہے عقل و فراست کی داخل مقدار سے لیکر خارجی ماحول کے ظلم و جبر تک ہر ایک کے لئے یہ نظریہ بہترین دفاع پیش کرتا ہے لیکن مشکلات کو حل کرنا اور ناسازگار کو سازگار بنانا زندگی کا سب سے زیادہ جلیل القدر منصب ہے۔ کامیابی حصول نہ ہونے کا سبب اکثر خود فرد کے اندر ہی موجود ہوتا ہے۔ لیکن متعلقہ حضرات کے لئے اس کا اعتراف مشکل ہوتا ہے ایک بار ایک کسان بڑی مشقت سے اپنی گھوڑا گاڑی گرد و غبار سے بھری ہوئی ایک سڑک پہ لے جا رہا تھا۔ کبھی کوئی بتائے یہ پہاڑی رستہ ابھی کتنا باقی ہے؟ اس نے پوچھا جواب ملا پہاڑی؟ یہاں پہاڑی کہاں؟ تمہاری گاڑی کے پچھلے پہئے ہی نہ ارد ہیں کبھی کبھی ہم میں سے ہر ایک اس کسان کے مشابہ ہوتا ہے۔

دنیا ایک دشوار مقام ہے۔ اور لوگ اکثر انصاف سے کام نہیں لیتے بلکہ ظالم اور خود غرض ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ہم ان دو شخصوں کا فرق بخوبی سمجھتے ہیں جن میں سے ایک کے پاس ہر بات کیلئے کوئی نہ کوئی عذر موجود ہوتا ہے۔ اور ٹھیک انہیں دشوار حالات میں پڑ کر عادۃً "صرف" اپنے اندروں پر نظر ڈالتا ہے اپنے طرز عمل اور اپنے وسائل کا جائزہ لیتا ہے۔ کوئی عذر نہیں کسی پہ الزام نہیں وہ ہر حال میں اپنے لئے سب سے بڑا استاد خود اپنی ذات کو سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اگر اس نے اپنی ذات کا صحیح استعمال تو لازماً بہتر نتائج حاصل ہونگے ہر شخص اس لڑکے کے صاف اور سلجھے ہوئے ذہن کا اعتراف کرے گا۔ جس نے ایک فٹ بال میچ میں ہار جانے کے بعد گھر اپنے باپ کو لکھا تھا کہ ہمارے ٹی یقین کو ہماری دفاعی لائن میں ایک زبردست شگاف مل گیا اور وہ شگاف میں ہی تھا

جب ہم کامیاب ہوتے ہیں اور جب صحیح فیصلہ اور مناسب کوشش کے نتیجے میں ہمیں اپنا مقصود مل جاتا ہے تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس ساری جد و جہد میں ہمارا اپنا اہم رہا ہے اس طرح جب ہم ناکام ہوں تو ذمہ داری سے کیونکر بچ سکتے ہیں کام کی زندگی تو شروع ہی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی خود اپنا مقابلہ کرنا آپ سیکھ جاتا ہے ہم میں سے ہر شخص بے نظیر پیدا ہوا ہے۔

اور ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی شخصیت کی تشکیل و ترتیب میں ہر امکانی کوشش سے کام لیتے ہیں۔

پھر بھی بکثرت لوگوں کا یہ حال ہے کہ معمولی سے معمولی مسائل سے خود نمٹنے سے پہلے ہر ممکن الفیاس عذر اور بہانے سے جنگ چھیڑ دیتے ہیں ہمارے دور کا انسانی المیہ ایک کارٹون بہت موثر طور پر پیش کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر مریض پر بڑی تشویش کے ساتھ نگاہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے یہ صورت حال بے حد سنگین ہے۔ تم تو اپنا فرض آپ ہو۔

بول چال میں یہ جو ہم شخصیت کے تعمیر کے الفاظ بولتے ہیں۔ تو یہ حقیقت حال کی صحیح تعبیر نہیں ذات کسی تعمیر کے بجائے بہتے دریا کے مشابہ ہے اور ذات اور شخصیت کے مالک ہونے کے معنی ان کی تنظیم و تزئین میں برابر مشغول رہنے کے ہیں۔ مختلف انداز میں زندگی بسر کرنے والے دو آدمیوں کے معاملے میں کامیاب شخصیت کا معیار یکساں نہیں ہو سکتا یہ معیار ایک ہی شخص کے باب میں بھی عمر کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے۔ ایک معیار البتہ ایسا ہے جس پہ سب متفق نہیں۔ ایک حقیقی شخصیت کا مالک انسان اپنے وجود میں مکمل وحدت اور اتحاد محسوس کرتا ہے ہم میں سے ہر شخص کا سابقہ کبھی کبھی غیر منظم زندگی کے مسائل سے پڑتا ہے اس پریشان حال آدمی کو دیکھیے جو محض اتنی سی بات پر سخت جوش و ہیجان کا شکار ہو جاتا ہے کہ چشمہ ان سے بھول کر غلط جگہ رکھ دیتے تھے پھر ایک خوفزدہ آدمی ہے جو خوف سے بے حال ہو کر ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ بعض لوگ اتنے تند مزاج ہوتے ہیں کہ معمولی سی بات پر ایکدم برس پڑتے ہیں یہاں تک کہ انھیں اپنے آپ پر

قابو نہیں رہ جاتا یہ ساری مثالیں واضح طور پر اسی حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ہماری شخصیت کی تالیف و تنظیم کتنی بودی ہے۔ اعلیٰ کردار کے جملے اوصاف میں سب اہم اسکا قابل اعتماد ہونا تسلیم کیا گیا ہے یہ قابل اعتماد ہونا اسی وقت ممکن ہے جب کہ شخصیت کی تالیف و ترتیب اس طرح کی گئی ہو کہ وہ ایک کامل و مکمل وحدت کے سانچے میں ڈھلی ہو بہت سے لوگوں کا طرز عمل بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ جس سے بے کرداری ٹپکتی ہے۔

ہماری صداقت اور اسی طرح کی دوسری اقات ہمارا طرز عمل ان صفات شائستگی اور اخلاق میں کثرت ایسے لوگ ملتے ہیں جن کی زندگی کا

عیوبی معید ایمان داری صفات پر مبنی ہو سکتا ہے بیکس بعض کا ضد بھی بن جاتا کرتا ہے یہ حقیقت عام صفات کے باب میں بھی

> کام کی زندگی تو شروع ہی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی خود اپنا مقابلہ کرنا آپ سیکھ جاتا ہے ہم اس کے ہر شخص بے نظر پیدا ہوا ہے اور ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی شخصیت کی تشکیل و ترتیب میں ہر امکانی کوشش کرے

دیکھی جا سکتی ہے شائستگی اور حسن اخلاق پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہم انھیں اچھی طرح سمجھتے ہیں آج خلیق اور شائستہ اور کل کج خلق اور ناشائستہ کام پہ خوش اطوار اور بامروت گھر میں چڑچڑے اور روٹھے ہوئے ایک صاحب کردار انسان وظائف حیات نہایت درجہ مرتب اور منضبط ہوتے ہیں آدمی ان پر پوری طرح بھروسہ کر سکتا ہے اس کے جذبات اور خیالات، خواہشات،

امنگ یا ترنگ نہیں ہوا کرتے - وہ ایک سالم اور کامل شخصیت کا مالک ہو سکتا ہے اس کے خیالات و احساسات کا تانا بانا ایک وحدت کی لڑی میں پرویا ہوا ہوتا ہے اسی طرح اس کے جملے احوال و اعمال میں ضبط متانت اور وقار کی جلوہ گری ہوتی ہے ایک مرتب اور منضبط زندگی کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہر طرح کی کشمکش سے نجات مل گئی ہے اور مکمل طور پر اطمینان اور سکون حاصل ہو گیا ہے بہت سی عظیم شخصیتیں اندرونی کرب و بے چینی کا شکار رہی ہے فلورنس نائٹنگل پر ایک زمانہ سخت مایوسی اور غم کا گذرا ہے وہ یعنی اپنی ڈائری میں لکھتی ہے کہ میں اپنی زندگی کے اکتیسویں سال میں موت سے زیادہ کسی شئی کو محبوب نہیں پاتی ہر مضبوط کردار کے انسان کے اندرون میں شاید کشمکش اور مقابلہ موجود ہوتا ہے لیکن وہ اپنے آپکو ڈھیلا نہیں چھوڑ دیتے یہ لوگ اپنی زندگیوں کو کچھ اعلیٰ قدروں کے سانچے میں ڈھال چکے ہوتے ہیں ایک متعین مقصد حیات ہوتا ہے - اس کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں اس طرح ایک حقیقی شخصیت کا حصول جس طریقے سے ہوتا ہے وہ سرتاسر داخلی اور روحانی طریقہ ہے ایک دفاکش اور محبت پیشہ گھرانے کا درجہ ساز گار ماحول میں بھی کسی فرد کو اپنا مقابلہ آپ کرنے سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا اور جہاں تری مادی خوشحالی کا تعلق وہ زندگی منظم اور مزین کرنے کے بجائے اکثر منتشر اور بے جوڑ بنا دیتی ہے اعصابی جبیں ساتی تو آسودہ حال لوگوں کا نمایاں وصف ہے

Para9

ایک ناولیسٹ اپنے کردار کا حال یوں بیان کرتا ہے انسان اس قدر نہیں تھا جتنا خانہ جنگی کا مبتلا کبھی کبھی تو ہر ایک آدمی اپنے آپ کو ایسی صورت حال سے دو چار پاتا ہے جس میں ایک طرف تو وہ خود اپنے واقعی قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ ماحول کے تقاضوں کی زد پر ہوتا ہے اور دوسری طرف اسکی اور اس کے کارکنوں کی اپنی ہی بنائی ہوئی ایک آئیڈیل تصویر ہوتی ہے اور دونوں کے درمیان ایک ناقابل عبور خلیج مائل ہوتی ہے

بے شک انسان کی عظمت اعلیٰ - آئیڈیل اور بلند حوصلے ہی تو ہیں اور شخصیت کے ارتقاء میں توان کا رول سب سے اہم ہے لیکن کبھی انکے لئے اتنا غیر معتدل طرز عمل اختیار کرتا ہے لیکن زندگی ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے - کوئی مرتب اور منظم شخصیت ممکن ہی نہیں جب تک کہ آغاز کار کے طور پر خود پذیری کا عمل رونما ہو جائے یعنی آدمی یہ کہے میں جان استھ اس اعلان کے ذریعہ قبول کرتا ہے ہوں کی اپنے آپ کو اپنی تمام موروثی صلاحیتوں اور کمزوریوں کو اور ماحول کے ان تمام عناصر کو جن پر میرا کوئی قابو نہیں ہے یہ سب قبول کرتے ہوئے اب میرا فرض یہ ہے کہ دیکھوں کہ اس جان استھ کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں

ہم جیسے کچھ ہیں اور جو کچھ ہونا یا بننا چاہتے ہیں ان دونوں میں اعلیٰ اخلاقی آئیڈیل کی بنا پر کشمکش لازمی ہے اور اکثر اسی موقع پر اس آئیڈیل کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے مثال کے طور پر ایثار اور وفاداری بڑی خوبیاں شمار ہوتی ہیں مگر ایک لڑکی جو ایک ضرورت سے اقتدار پسند ماں کے تسلط اور نگرانی میں ہے اپنے

بارے میں یوں بھی سوچ سکتی ہے کہ اختیار دیدیا تو اسکے فرائض زندگی میں سے ہے اسطرح وہ ایک طرف نہ تو اپنی ماں کی کوئی واقعی خدمت انجام دے سکے گی اور اپنی زندگی کو مختصر کر رہ جانے سے بچا سکے گی۔ اور دوسری طرف خود آپ اپنی شخصیت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گی

اگر عمل میں نہ آسکی ہو تو حقیقی شخصیت اور آئیڈیل اور تخیلی ان کے درمیان سخت کشمکش برپا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں ایک کچل ڈالنے والا احساس کمتری پیدا ہوتا ہے۔ یونیورسٹی کے ۲۷۵ طلبہ کے معائنہ کے بعد معلوم ہوا کہ نوے فیصدی سے زیادہ نااہلی کے حوصلہ شکن اور جاں گداز احساسات کا شکار تھے انھوں نے ہر طرح کے عذر بیان کئے مثلاً جسمانی صلاحیتوں کا فقدان غیر دلکش صورت، محبت میں ناکامی، ذہنی افلاس سماجی اوصاف سے محرومی اخلاق کوتاہیاں وغیرہ احساس کمتری کے مسئلہ کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ عموماً لوگ اس سے نمٹنے کیلئے ناپسندیدہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں بعض تو

یعنی متضاد نے نفاق کا طریقہ اپنا لیتے ہیں

احساس کمتری کے مارے ہوئے یہ بھی نہیں جانتے کہ دوسرے ان کے حال سے واقف ہوں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شرمیلے ہوتے ہیں۔ بد تمیز جھگڑالو بننے کی کوشش کرتے ہیں بوکھلائے ہوئے بے تکان تقریر جھاڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ بزدل ڈینگ مارنے اور کلہ درازی پر آمادہ ہو جاتے ہیں ایک کو جو اپنے افراد خاندان کے معاملے میں نہایت نرم خو اور بامروت تھا ایک ذلت آمیز ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ایک دم سے وہ سخت گیر اور اقتدار پسند ہو گیا یہاں تضاد کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا مگر واقعہ یہ ہے کہ جب اس میں ذاتی بلندی اور برتری کا احساس تھا اس کا طرز عمل تواضع اور خاکساری کا تھا گویا فی الواقع اسے اپنی کمتری کا احساس ہے لیکن جونہی اسے کمتری کا واقعی احساس ہوا دھونس جمانی شروع کر دی اور تحکم پسند بن گیا بہتوں کا حال آصف الحلیم کی افسانوی لومڑی کا ہوتا ہے ان کے نزدیک وہ تمام انگور جو ان کی دسترس سے باہر ہوں لازماً کھٹے ہوتے ہیں کمزور نوجوان کسرتی اور موزوں جسم والے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے آوارہ منش محتاط اور پرہیزگار کو بننے والا رنگ سیار کا طعنہ دیتا ہے اسکول میں فیل ہونے والا ذہین طلبہ کو حقارت سے پیش آنے والا کہتا ہے۔ غور سے دیکھئے لوگ کن چیزوں سے خواہ مخواہ برابری کا اظہار کرتے ہیں پھر یقینی طور پر آپ جان لیں گے کہ انکی حقیقی محرومیاں کیا ہیں اور کس چیز کے وہ تحت الشعور میں متمنی رہتے ہیں۔

کچھ اور لوگ مبالغہ آمیز اعتراف تقصیر کو پناہ گاہ استعمال کرتے ہیں ایک طالب علم ایک آدھ بار فیل ہو گیا تھا کہنے لگا میں نے اپنے معاملے پر بار بار غور کیا بالآخر اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ میں ہوں ہی کند ذہن اس کے اس قول میں کسی بے چینی یا مایوسی کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ یہ اعتراف اس کے حق میں بڑا سکون بخش ثابت ہوا یہ ایک بے خطر بہانہ تھا اس کے ذریعہ وہ ہر طرح کی ذمہ داری سے بری ہو گیا لیکن یہ اعتبار حقیقت یا عذر

سرتا سر لغو تھا اور جذباتی بے اعتدالی کا پتہ دے رہا تھا۔

صحیح اور صحت شخصیت کے نشو نما میں خود پذیری کو جو چیز مثبت طور پر اولین اور بنیادی درجہ عطا کرتی ہے وہ اصول تلافی کی کارفرمائی ہے نقص اور خامی کبھی کبھی مثبت محرک کا کام بھی کر جاتے ہیں سادہ اور سپاٹ لڑکی اس احساس سے کام لیکر کہ سادہ اور سپاٹ ہے اپنے اندر زیادہ ترکشش اور ذکاوت و ذہانت پیدا کر سکتی ہے مثر میلا اور مضطرب الحال نوجوان جو طبعاً عزلت نشین اور گوشہ گیر ہے۔ سائنٹفک تحقیقات اور ریسرچ کے کاموں میں کہیں زیادہ مفید اور موزوں ثابت ہو سکتا ہے خود پذیری کے سلسلے میں آغاز کار کے طور پر پہلا اولین قدم یہ ہے کہ وہ امور جو آزاد حال تنے ہوئے ہیں ان کی تعداد اور تاثیر ممکن حد تک گھٹانے کی کوشش کی جائے۔

کارٹونی چہرہ مفلوجہ صلاحیتوں سے محرومی مالی دشواریاں یہ سب بے شک پابندیاں اور قیود ہیں۔ مگر یہ ہمارے لئے ذلت کا سبب ہرگز نہیں ذلت یہ اسی وقت ہوتی ہے جب ہم اندرونی طور پر انھیں ذلت خود بنا لیتے ہیں

زندگی ایک طرح کی باغبانی ہے۔ ہمیں ایک قطعہ زمین وسیع یا مختصر دیتے ہیں کبھی وہ ہموار بھی ہوتی ہے۔ اور کبھی ناہموار لیکن اسے سرسبز اور شاداب کرنا ہماری اپنی ذمہ داری ہے کامیابی اور ناکامی کے امکانات ہر قطعۂ زمین سے وابستہ ہوتے ہیں۔ لیکن محنت اور عمل کی بدولت اکثر سب سے زیادہ غیر متوقع نتائج حاصل ہوتے ہیں

بعض نہایت درجہ شاندار امکانات ابتدا میں نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں اور کبھی مایوس کن صورت حال امید افزا توقعات سے بدل جاتی ہے شخصیت کے اجزار ترکیبی بالکل ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے کسی قطعۂ ارض کے اوصاف اور مضرات اب یہ اپنی اپنی محنت اور مشقت کی ہے کہ چاہیں اسے باغ و بہار بنا دیں۔ پس شخصیت

کو ذلت یا
مواقع اور
چاہیں چیلنج
میدان جنگ
دیں کی کم
زوریوں
اور کوتاہیوں
اور امکانات
رسوائی

> ایک مرتب اور منضبط زندگی کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہر طرح کی کشمکش سے نجات مل گئی ہے اور مکمل طور پر اطمینان اور سکون خاطر حاصل ہو گیا ہے۔

سمجھ کر
نہیں بلکہ
ندریں
حرکات
سمجھ کر
قبول
کرنا
چاہیئے۔

ایک باصلاحیت خاتون کو میں جانتا ہوں جن کی نشو نما افلاس اور تنگدستی کے ماحول میں ہوئی تھی۔ اپنی ابتدائی زندگی کا ایک اہم واقعہ ان کو یاد آیا جب کہ انھوں نے اپنی مشکلات کا شکوہ اپنی ماں سے کیا تھا۔ ماں نے جواب دیا لڑکی ادھر دیکھ۔ میں نے تجھ کو زندگی دی ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اب میں مشکل ہی سے تجھے اس سے زیادہ کچھ دے سکنے کے قابل ہو سکوں گی۔ لہٰذا شکوہ شکایت تو چھوڑ دے اور اس زندگی کو کچھ بنانے کی کوشش کر یہ ایک عمدہ نصیحت تھی۔ خود پذیری کی ہمیشہ حقیقت پسندانہ خودداری کے ساتھ مگر ادعار سے خالی ہونی چاہیئے۔

ایک طلسماتی اسکول جو اپنے طلبگاروں کو بھرپور شخصیت ادا کرنے کا مدعی ہے۔ پہلے سبق میں ان کو ہدایت دیتا ہے کہ ایک آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود اپنا نام نرم دھیمے اور خوش آئند لہجے میں بار بار دہرائیں اس طرح اپنے ذہن و دماغ کو خود اپنے آپ سے متاثر کریں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ تو ہم بالذات کبھی زندگی کے سب سے زیادہ انتشار انگیز محرکات میں سے ایک بن جاتا ہے۔ ایک منضبط اور مرتب شخصیت کا وجود ممکن ہی اپنی ذات کے باہر کچھ ایسی قابل قدر دلچسپیاں نہ پیدا کرے جن میں لگ کر اپنے آپکو پوری طرح گم کر دے مرد کامل بننے کے لئے اپنے آپکو کھو دینا ایک لازمی شرط ہے خود مرکزیت تو بچپن میں بالکل فطری ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے پچاس سال کی عمر میں بھی وہ کولہو کے بیل کی طرح اس مخصوص دائرہ میں گردش کرتے رہتے ہیں اس طرح کی خود مرکزیت شخصیت کے ارتقاء کے لئے سم قاتل سے کم نہیں اپنے آپکو بھول جانے کے سلسلے میں مشورے اور عمل ہدایات کا آغاز جسمانی سطح پر ہونا چاہئے خود فکری کے ستائے ہوئے بکثرت افراد ماہر نفسیات کی خدمت کے بجائے عقل و شعور کے محتاج ہوتے ہیں عقل عمومی سے کام لیکر صحت مند زندگی کے خالص جسمانی تقاضوں اور شرطوں کو پورا کرکے وہ اپنے دکھ سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔

ہمارے جسم سخت قسم کی جسمانی مشقتوں سہنے ہیں۔ ہر وہ شخص جو کسی ایسی دل پسند تفریح یا ورزش کا عادی ہے جس میں مشغول ہو کر وہ اپنے آپکو بھول جا سکتا ہے۔ بخوبی جانتا ہے کہ جذباتی نکھار اور ذہنی تر و تازگی کیلئے یہ نسخہ کیمیا سے کم نہیں کام میں اپنے آپکو گم کر دینا زندگی کا سب سے زیادہ پائیدار لذتوں میں سے ہے یہی سبب ہے کہ اعصابی مریض کثرت کار کے بجائے زیادہ تر فرصت بے نہایت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ شخصیات کے مشیر کا سابقہ ایسے لوگوں سے بکثرت پڑتا ہے جو خود فکری کے شکار ہوتے ہیں اور زندگی کی گم گشتہ مسرتوں کو اظہار خودی کی راہ سے پالینے کی خاطر بری طرح ہاتھ پیر مارتے ہیں۔ ایک عامی کے نقطۂ نظر سے اظہار خودی یہ ہے کہ اپنے آپ کو آزاد چھوڑ دو۔ جذبات کی دھار کو قلقل کی آواز کے ساتھ جس رخ چاہے بہنے دو۔ لیکن بردانشمند مشیر چاہتا ہے کہ اظہار خودی کی مشق ٹھیک نفسیاتی حقائق کے مطابق ہو۔

جذباتی دھماکے اگر اس غرض سے وقوع پذیر ہوں کہ ایک ہی لمحے کے لئے تھرتھری یا سنسنی پیدا کر کے انفرادی لذت بہم پہونچا سکیں گے تو پھر ان کا سرے سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر ہم اس طرح کی جذباتی تسکین بالتکرار کرتا ہو تو پھر زندگی سرتاسر انتشار و اضطراب بن جائے گی اور پہلے سے بھی زیادہ بے مقصد اور بے منزل ہوگی مناسب اور موزوں طور پر اظہار خودی کا مسئلہ ایک نہایت نازک اور عمیق مسئلہ ہے اظہار خودی کی صحیح اور سچی شرح و بغیر آزاد مزاج یا رند مشرب لوگوں میں نہیں۔

بلکہ کسی آرٹسٹ، سائنسدان یا پھر اس خوش نصیب ماں کی مشغولیتوں میں ڈھونڈنی چاہیے جو گھر کو گھر بنانے کیلئے اپنے آپکو گم کر دیتی ہے کبھی یہ ان تجارت پیشہ لوگوں کی زندگیوں میں بھی مل جائے گی جو ذاتی منافع سے بڑھکر سماجی مفاد کی خاطر تگ و دو میں مصروف رہتے ہیں۔

ذات کی اس کامیاب توسیع سے کم از کم دو عملی نتائج رونما ہوتے ہیں پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ ایک سکون بخش قلبی کیفیت انسان اپنے اندر محسوس کرنے لگتا ہے۔ ہر وہ شخص جو غیر معتدل طور پر خود فکری کے آزار میں مبتلا ہو قلبی سکون سے محروم رہتا ہے اور یہ اس کے لئے ایک ناگزیر سزا بن جاتی ہے

رابرٹ برنز کی دعا خدایا ہمیں وہ قوت عطا ہو جس سے ہم اپنے آپکو اس طرح دیکھیں جس طرح دوسروں کو دیکھتے ہیں "صرف ان لوگوں کے حق میں قبول ہوتی ہے جو دوسروں کی زندگی بنا سکتے ہیں اور جن کی دلچسپیاں گہری اور وسیع ہوتی ہیں جو خود فکری کا مریض ہوتا ہے اس کی دعا فطری طور پر کچھ اور ہوتی ہے وہ تو اپنے آپکو دیکھتا ہے ایک کارٹونسٹ نے ایک شام اپنے تمام شناساؤں کے کارٹون تیار کروائے نتیجہ ایک نہایت درجہ حیرت انگیز انکشاف تھا ہر ایک نے تمام دوسرے ساتھیوں کے کارٹون تو پہچان لئے لیکن بعض خود اپنا کارٹون نہ پہچان سکے جس نظر سے ہم اوروں کو دیکھتے ہیں اسی نظر سے خود اپنے آپ کو دیکھنے کی صلاحیت کا فقدان خام خود مرکزیت کا ثبوت ہے۔ اسٹافنبر نے اپنے ڈرامہ بادل میں سقراط کی تمسخر انگیز نقالی کی ڈرامہ جب چل رہا تھا تو پورا تھیٹر قہقہے اور شور و غل سے پھٹ پڑا

بیان کیا جاتا ہے کہ سقراط بھی ڈرامہ دیکھنے کیلئے گیا تھا اور جب اس کا کارٹون نظر پڑا تو کھڑا ہو گیا تاکہ حاضرین اس کا اصل سے زیادہ بہتر طور سے لطف اندوز ہو سکیں وہ ایک پختہ کامل و مکمل شخصیت کا مالک تھا اور اپنے کو اپنے آپ سے الگ کر کے بھی دیکھ سکتا تھا

ذات کی اسطرح توسیع کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مصائب برداشت کرنے کی قوت بڑھ جاتی ہے ایسے تمام لوگوں میں جو کڑے وقت سے نمٹنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور اس مقصد کیلئے اور اپنے سارے وسائل کو بروئے کار لاتے ہیں ایک چیز مشترکہ طور پر ملتی ہے یہ کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے بارے میں بھی سنجیدگی کے ساتھ سوچتے رہتے ہیں۔

جذباتی شورشیں جو ہماری فطرت میں ودیعت ہیں ان سب سے ہمیں بہرحال اچھا یا برا کام لینا ضروری ہے۔ جذباتی تقاضے مثلاً تجسس، غضبناکی، خوفزدگی، خودداری جنسی طلب ہماری فطرت کے لازمی عناصر ہیں ہم یا تو ذلت آمیز طور پر ان کے غلام بن جا سکتے ہیں یا پھر ان پر قابو حاصل کر کے اپنی شخصیت کو زینت اور توانائی بخش سکتے ہیں تجسس ایک جذباتی تقاضا ہے جو تمام نارمل انسانوں میں موجود ہوتا ہے اور نت نئی صورت اختیار کرتا رہتا ہے لوگوں کی کھڑکیوں میں جھانک لینے والے بچے خالص گھریلو معاملات کسی کوٹھے میں رہنے والے خواہ مخواہ کی تفتیش بود اور جو کھلے دل سے سچائی کے جویا ہیں اور مختلف خطہ ہائے ملک کے دریافت کرنے والے جانباز ریسرچ سائنٹسٹ سب کے سب شوق تجسس کی مثال پیش کرتے ہیں

(بقیہ صفحہ ۴۲ پر)

سید راشد علی حامدی

اخلاقی بحران اور اس کا حل

آج انسانیت جن سنگین اور لاینحل مسائل سے دوچار ہے اور جن مسائل کو حل کرنے میں تمام ہی ازموں اور نظریوں کے ناخن گھس چکے ہیں ان مسائل میں سب سے اہم اور سنگین مسئلہ اخلاقی بحران ہے۔ کسی بھی قوم یا ملک کے لئے یہ مسئلہ کسی بھی صورت میں بنیادی اہمیت کا حامل نہیں ہو سکتا کہ تیسری عالمی جنگ کے خطرات سے کیسے بچا جائے، سائنس اور ٹکنالوجی اور تحقیقاتی کاموں کے میدان میں کیسے پیش رفت کی جائے اور نہ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایٹمی وجوہری توانائیاں حاصل کرنے کے لئے کس قدر ایٹمی ری ایکٹر پلانٹ قائم کئے جائیں اور نیوکلیائی اسلحہ کی دوڑ میں اپنے پڑوسی ملکوں خصوصاً مدمقابل ریاستوں سے کیسے آگے بڑھا جائے بلکہ آج کا سب سے اہم مسئلہ اخلاقی انارکی اور اس کا زوال ہے۔ یہی وہ واحد مسئلہ ہے کہ اگر اس کو حل کر دیا جائے تو کوئی مسئلہ باقی نہ رہے کیونکہ یہی تمام مسائل کا سرچشمہ اور تمام مشکلات کا منبع ہے۔

لیکن ذرا اقوام عالم پر نظر دوڑائیے تو معلوم ہوگا کہ تمام ملکوں کی کوششوں اور سرگرمیوں کا محور چند بے معنی مسائل ہیں جنہیں بڑی طاقتوں نے اپنے مفادات کی نگہداشت اور کمزور ملکوں کے سروں پر مسلط رہنے کے لئے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا ہے اور دوسرے تمام ممالک ان کو اپنے حقیقی مسائل سمجھ کر ان کے حصول کے لئے ڈٹ گئے اور اس حقیقی مسئلے کو پس پشت ڈال دیا جس پر قوموں اور ملکوں کی قوت کا انحصار ہے اور جس کی طرف بے توجہی کی بنا پر موجودہ نسل اخلاق و کردار سے بے بہرہ، عدل و مروت سے ناآشنا اور اخلاقی اقدار سے ناواقف ہے وہ جیسی بے راہ روی، شہوت پرستی اور اخلاقی انارکی کا شکار اور انسانیت کش بیماریوں میں گرفتار ہے۔ نیوٹن نے ایک بار کہا تھا:

WEALTH IS LOSS, NOTHING IS LOSS, HEALTH IS LOSS, NOTHING IS LOSS, CHARRACTER IS LOSS, ALL THING IS LOSS.

آج جب کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقیاں اپنے عروج پر ہیں، زمان و مکان کی وسعتیں سمٹ کر لمحات میں مقید ہو گئی ہیں، انسان چاند پر اپنی کامیابی کا پرچم گاڑنے کے بعد مریخ اور دیگر سیاروں پر اپنے قدم جمانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ایک طرف اسے فطری قوتوں کو مسخر کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے تو دوسری طرف اس نے بے پناہ صنعتی ترقیاں کی ہیں، مغرب جو کہ مادہ پرستانہ تہذیب کا علمبردار ہے جس کی صنعتی زندگی کی شان و شوکت نظروں کو خیرہ کر رہی ہے عیش و عشرت اور آسائش و زیبائش کے جملہ سامان اور وسائل و ذرائع وہاں کے باشندوں کو حاصل ہیں لیکن تجربہ شاہد ہے کہ دولت و ثروت کی بہتات حیرت انگیز ایجادات و انکشافات، فلک بوس عمارتیں، آواز سے تیز رفتار طیارے، غرضیکہ زندگی کو کامیاب بنانے والے جملہ وسائل و ذرائع انسان کو اس سکون سے ہمکنار نہ کر سکے جس کی صحیح معنوں میں ضرورت ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے جدید تہذیب و تمدن پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کی حقیقت کس خوبی سے بے نقاب کی تھی ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

کیا ظالم کو جو شمس و قمر تک پہنچے :- مادہ پرستانہ تہذیب جس نے انسانی مسائل کو حل کرنے کا دعوے کیا تھا آج اپنے اس دعویٰ میں بری طرح ناکام نظر آرہی ہے کیونکہ تہذیب جدید کی بنیاد "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" اور انسان کی معاشی سرگرمیوں پر رکھی گئی ہے اس اصول نے انسان کی ساری تگ و دو کا محور وقت کی روٹی اور آرائش کے لئے کپڑے کے حصول کو بنا دیا۔ اس اصول کے نتیجہ میں انسان نے خدا اور مذہب کا قلاوہ اپنی گردن سے اتار پھینکا اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دولت بٹورنے میں لگ گیا اسے وہ اخلاقی و روحانی نقصانات برداشت کرنے پڑے جن کا ازالہ ممکن نظر نہیں آتا لیکن اس کے باوجود اس کا معاشی مسئلہ حل نہ ہو سکا آج دنیا میں کتنے انسان ہیں جو جہالت و ناخواندگی سے دوچار ہیں۔ ان کے پاس نہ تن ڈھانکنے کو کپڑا ہے نہ پیٹ بھرنے کے لئے روٹی۔ مارکس نے اپنے نام نہاد نظریۂ اشتراکیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ دعوے کیا تھا کہ :-

"انسان کے اخلاق و کردار معاشی حالات کے
تابع ہوتے ہیں جب معاشی حالات سدھر جائیں
گے تو اخلاق و کردار خود بخود درست ہو جائیں گے۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ سراسر غلط ہے جب ہم اس کو تجربات کی روشنی میں پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعوے حقیقت پر مبنی نہیں آج جبکہ ہر طرف علم و ہنر کی روشنی صنعت و حرفت کی کثرت، دولت و ثروت اور سیم و زر کی فراوانی ہے، دنیا ایٹمی دور سے گذر رہی ہے۔ سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں حیرت انگیز ترقیاں ہو رہی ہیں لیکن ان سب کے باوجود انسان اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ امریکہ جہاں معاشی مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا جہاں پیداوار ضرورت سے اس قدر زیادہ ہے کہ عالمی منڈی کو برقرار رکھنے کے لئے اس کی خاکستر سے یا تو کھاد کا کام کیا جاتا ہے یا پھر اس کو حوالۂ سمندر کر دیا جاتا ہے، آج وہ بھی اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ وہاں کا نوجوان اپنے کردار کی عظمت کو کھو چکا ہے، جنسی بے راہ روی اور شہوت رانی کا یہ عالم ہے کہ وہاں کی ساٹھ فیصد لڑکیاں شادی سے پہلے ہی عصمت و عفت کے آبدار موتی لٹا دیتی ہیں وہاں کے نوجوان جنس پرستی کی لعنت میں اس بری طرح گرفتار ہیں کہ فوج میں شمولیت کے لئے آنے والے ہر سات نوجوانوں میں سے چھ ناکام واپس لوٹا دیے جاتے ہیں۔

نیویارک کے ایک پولیس انسپکٹر مسٹر ایڈ فر نے چوتھائی صدی قبل اپنے ایک اعلانیہ میں یہ حیرت انگیز اطلاع دی تھی کہ نیویارک میں کم از کم ہر دو منٹ میں ایک جرم کا ارتکاب ہوتا ہے اور پورے ایک دن میں مختلف النوع جرائم کی تعداد روزانہ ۲۵۰ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس نے اپنے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے گہرے رنج و قلق کے ساتھ کہا تھا "ہماری اس گفتگو کے دوران ۱۲ جرائم ہو چکے ہوں گے" (الدعوہ عربی سے ترجمانی)۔

یہ ہے عہد جدید کے سب سے بڑے ترقی یافتہ ملک کا حال جو اپنے آپ کو ترقی یافتہ ملک کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہے ؎

اپنی پرواز نے گر امن کو پامال کیا
کیا ظالم کو جو شمس و قمر تک پہنچے

اسباب

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آخر اس صورت حال کے اسباب کیا ہیں۔ علوم و فنون، صنعت و حرفت اور سائنس و ٹکنالوجی کی بے پناہ ترقیوں کے باوجود آج کا انسان اخلاقی و انسانی اقدار سے بے بہرہ ہی نہیں ان سے بیزار نظر آتا ہے اگر غور کیا جائے تو اس کی تہ میں صرف ایک ہی سبب کار فرما نظر آتا ہے اور وہ ہے "خدا کی خدائی سے بغاوت"

سترہویں صدی عیسوی میں اہل کلیسا اور جدید عقلیت پسندوں کے درمیان تصادم کے نتیجہ میں جو انقلاب برپا ہوا اس کی بنیاد خدا بیزاری اور الحاد و بے دینی پر رکھی گئی ہے۔ یہ انقلاب جو مذہبی پاپاؤں اور نام نہاد مذہب پرستوں سے طویل کشمکش بعد

کے بعد وجود میں آیا تھا۔ خدا ناشناسی اور خدائی پابندیوں سے بغاوت کی صورت میں نمودار ہوا۔ پادریوں کے نارو ا ظلم و ستم کی بنا پر مفکرین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ مذہب وحشت و بربریت، اقدامت پرستی و تاریک خیالی اور بے معنی افکار و خیالات کا دوسرا نام ہے۔ جولین ہکسلے ایک جگہ لکھتا ہے:

"جس طرح ایٹم کے ٹوٹنے سے مادہ کے بارے میں سارے پچھلے تمام تصورات ختم ہو گئے اسی طرح پچھلی صدی میں جو علم کی ترقی ہوئی ہے وہ بھی ایک قسم کا علمی دھماکہ ہے جس کے بعد خدا اور مذہب کے درمیان کے پچھلے تمام پرانے خیالات بھک سے اڑ گئے ہیں۔"

ایک دوسری جگہ وہ لکھتا ہے: "خدا کا یقین اپنی افادیت کے آخری مقام پر پہنچ چکا ہے اب وہ مزید ترقی نہیں کر سکتا، مافوق الفطری طاقتیں در اصل مذہب کا بوجھ اٹھانے کے لئے انسانی ذہن نے اختراع کی تھیں۔ پہلے خدا پیدا ہوا پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لی، پھر دیوتاؤں کا عقیدہ ابھرا اس کے بعد ایک خدا کا تصور آیا اس طرح ارتقائی مراحل سے گذر کر مذہب اپنی آخری حد کو پہنچ چکا ہے کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے بنیادی مفروضات اور مفید تخیلات تھے مگر اب جدید ترقی یافتہ سماج میں وہ اپنی ضرورت و افادیت کھو چکے ہیں۔"

ماہر نفسیات ڈاکٹر فرائڈ مذہب پرستوں کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتا ہے:—

"انسانی زندگی تین واضح نفسیاتی ادوار سے ہو کر گزرتی ہے، دور وحشت، دور مذہب، دور سائنس۔ یہ سائنس کا دور ہے لہٰذا اب سائنس کی باتوں میں کوئی معنویت نہیں۔ وہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اپنی تمام قدر و قیمت کھو چکا ہے۔"

سائنس اور کلیسا کے ٹکراؤ کو لوگوں نے عموماً مذہب اور سائنس کے ٹکراؤ پر محمول کیا اور اہل کلیسا اور نام نہاد مذہبی پاپاؤں کی شکست سے عقلیت پسند اس خوش گمانی میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے خدا اور مذہب کو شکست دے دی۔ نتیجۃً جو چیز بھی خدا اور مذہب کے نام سے آئی اس کو انھوں نے ٹھکرا دیا خدا اور مذہب کو اجتماعی زندگی سے بھی بے دخل کیا اور انفرادی زندگی سے بھی یکسر پیچھا چھڑا لیا نیز اخلاق میں بھی خدا سے رہنمائی لینے سے انکار کر دیا۔ امریکی معاشرہ میں اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنے کے مقصد سے ایک تنظیم بنائی گئی جس کا نام رکھا گیا "تحریک انجمن اخلاق امریکہ" اس انجمن کے مقاصد ان الفاظ میں واضح کئے گئے تھے

"انسانی زندگی کے تمام تعلقات میں خواہ وہ شخصی ہوں یا اجتماعی، قومی ہوں یا بین الاقوامی اخلاق کی انتہائی اہمیت پر زور دینا بغیر اس کے مذہبی معتقدات یا مابعد الطبعی تخیلات کا اس میں کوئی دخل ہو۔" وہ اپنی مذہبی دشمنی کی بنا پر یہ بات ماننے کو تیار ہی نہ تھے کہ وہ اپنی انفرادی و اجتماعی معاملات میں کسی مافوق الفطری طاقت کی رہنمائی قبول کریں چنانچہ اس دور میں مفکرین بڑے فخر سے کہتے تھے۔

"ہم نے ایک نیا خدا (سائنس) دریافت کر لیا ہے اور پرانے خدا سے منہ موڑ لیا ہے۔"

سائنس کو خدائی منصب پر بٹھا دینے کا جو نتیجہ سامنے آیا وہ یہ تھا کہ کائنات کی مقصدیت یکسر ختم ہو کر رہ گئی۔ انسان جب ان بندھنوں سے آزاد ہوا، جب اس نے خدا اور رسول کا قلادہ اتار پھینکا تو شتر بے مہار ہو گیا۔ جب انسان کے ذہن سے خدا کا تصور محو ہوا اور اخلاقی قیود سے آزادی ملی تو تمام اخلاقی قدریں بے معنی قرار پائیں۔ ظلم و زیادتی، عدل و انصاف، نیکی و بدی، حسن و قبح اور صدق و کذب کے معیار بدل گئے اور دولت کی ہوس اور شہوانی خواہشات انسانی زندگی کا محور بن کر رہ گئی تھیں۔ نتیجہ زندگی کے تمام شعبوں میں جھوٹ، بے ایمانی، فریب و دغا، رشوت خوری، چوری، زنا اور تمام ہی انسانیت کش بیماریوں کے جراثیم سرایت کر گئے۔

تاریخ زمانہ شاہد ہے کہ انسان نے جب بھی خدا سے بے نیاز ہوکر زندگی کی تعمیر کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو پس پشت ڈال دی اور خدائے واحد کو چھوڑ کر باطل معبودوں اور شہوات نفس کی بندگی اختیار کی تو نتیجہً تخریب و بگاڑ کی صورت میں رونما ہوا اور فتنہ و فساد سے بھر گئی۔ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ جب تک انسان کو اپنے سے بالاتر ہستی کا خوف نہ ہو اپنی پوری زندگی کے حساب و کتاب اور اپنے تمام اچھے اور برے اعمال کی جوابدہی کا احساس نہ ہو اس وقت تک کوئی معاشرہ امن و آشتی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا دنیا نے دیکھ لیا کہ جدید تہذیب و تمدن کس دعوے کے ساتھ اٹھی تھی لیکن وہ اپنے دعوؤں میں بری طرح ناکام رہی وہ لوگ جو مذہب کے سخت دشمن سمجھے اب وہ بھی مذہب کو اس حیثیت سے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں کہ وہ معاشرے میں اخلاقی فضا پیدا کرتا ہے اور سماجی نظم کو برقرار رکھنے میں ممد و معاون ہے۔ چنانچہ نامورؔ میتھیو ہالوس (METHEW HALOS) مذہب کی پر زور حمایت کرتے ہوئے لکھتا ہے

"یہ کہنا کہ مذہب ایک فریب ہے در اصل ان تمام پابندیوں اور ذمہ داریوں کو منسوخ کرنا ہے جس سے سماجی نظم کو برقرار رکھا جاتا ہے۔"

مشہور جرمن فلسفی کانٹ نے خدا کے تصور کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ اس کی موجودگی کا کوئی تسلی بخش ثبوت ہم کو نہیں ملتا۔ اس کے نزدیک نظری معقولیت (THEORATICAL REASON) تو مذہب کے حق میں نہیں ہے مگر اخلاقی پہلو سے عملی معقولیت (PRACTICAL REASON) کو وہ بھی تسلیم کرتا ہے۔

واقعیؔر کسی مابعد الطبیعی حقیقت کو نہیں مانتا پھر بھی وہ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ "خدا اور دوسری زندگی کے تصور کی اہمیت اس لحاظ سے بہت زیادہ کہ وہ اخلاقیات کے معزوضے کا کام دیتے ہیں اس کے نزدیک صرف اسی کے ذریعہ بہتر اخلاقی فضا پیدا کی جا سکتی ہے اگر یہ عقیدہ ختم ہو جائے تو حسن عمل کے لئے کوئی محرک باقی نہیں رہتا اور اس طرح سماجی نظم کا برقرار رکھنا کٹھن ہو جاتا ہے (ہسٹری آف فلاسفی ص ۴۹۴)

بدلتے ہوئے حالات اور خود مغربی اور سیکولر تہذیب کے علمبرداروں کے خیالات میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا پھر خدا اور مذہب کی طرف پلٹ رہی ہے۔ مفکرین اب یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اگر دنیا کو تباہی و بربادی سے بچانا ہے تو مذہب کی طرف واپسی ناگزیر ہے در حقیقت یہ بہت ہی اہم اور نازک مرحلہ ہے جہاں اسلام کے علمبرداروں کی ذمہ داریاں نہایت اہم ہیں۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے اس کا تعارف موجودہ مرحلوں کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ●●

حیاتِ نو
کی اشاعت میں
بھرپور حصہ لیکر
ہمارا تعاون کریں

حیاتِ نو کو آپ کے
مالی تعاون
کے ساتھ ساتھ آپ کے
مشوروں
کی بھی ضرورت ہے

اور ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی شخصیت کی تشکیل و ترتیب میں ہر امکانی کوشش سے کام لیتے ہیں۔

پھر بھی بکثرت لوگوں کا یہ حال ہے کہ معمولی کو معمولی مسائل سے خود نمٹنے سے پہلے ہر ممکن القیاس عذر اور بہانے سے جنگ چھیڑ دیتے ہیں ہمارے دور کا انسانی المیہ ایک کارٹون بہت موثر طور پر پیش کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر مریض پر بڑی تشویش کے ساتھ نگاہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے یہ صورت حال بے حد سنگین ہے۔ تم تو اپنا فرض آپ ہو۔

بول چال میں یہ جو ہم شخصیت کے تعمیر کے الفاظ بولتے ہیں۔ تو یہ حقیقت حال کی صحیح تعبیر نہیں ذات کسی تعمیر کے بجائے بہتے دریا کے مشابہ ہے اور ذات اور شخصیت کے مالک ہونے کے معنی ان کی تنظیم و ترتیب میں برابر مشغول رہنے کے ہیں۔ مختلف انداز میں زندگی بسر کرنے والے دو آدمیوں کے معاملے میں کامیاب شخصیت کا معیار یکساں نہیں ہو سکتا یہ معیار ایک ہی شخص کے باب میں بھی عمر کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے۔ ایک معیار البتہ ایسا ہے جس پر سب متفق نہیں۔ ایک حقیقی شخصیت کا مالک انسان اپنے وجود میں مکمل وحدت اور اتحاد محسوس کرتا ہے ہم میں سے ہر شخص کا سابقہ کبھی کبھی غیر منظم زندگی کے مسائل سے پڑتا ہے اس پریشان حال آدمی کو دیکھئے جو محض اتنی سی بات پر سخت جوش و ہیجان کا شکار ہو جاتا ہے کہ چشمہ ان سے بھول کر غلط جگہ رکھ دیتے تھے

پھر ایک خوفزدہ آدمی ہے جو خوف سے بے حال ہو کر ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ بعض لوگ اتنے تند مزاج ہوتے ہیں کہ معمولی سی بات پر ایکدم برہم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ انھیں اپنے آپ پر قابو نہیں رہ جاتا یہ ساری مثالیں واضح طور پر اسی حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ہماری شخصیت کی تالیف و تنظیم کتنی بودی ہے۔ اعلیٰ کردار کے جملے اوصاف میں سب اہم اسکا قابل اعتماد ہونا تسلیم کیا گیا ہے یہ قابل اعتماد ہونا اسی وقت ممکن ہے جب کہ شخصیت کی تالیف و ترتیب اس طرح کی گئی ہو کہ وہ ایک کامل و مکمل وحدت کے سانچے میں ڈھلی ہو بہت سے لوگوں کا طرز عمل بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ جس سے بے کرداری ٹپکتی ہے۔

> کام کی زندگی تو شروع ہی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی خود اپنا مقابلہ کرنا آپ سیکھ جاتا ہے ہم اس کو ہر شخص بے نظیر پیدا ہوا ہے اور ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی شخصیت کی تشکیل و ترتیب میں ہر امکانی کوشش سے

ہمارے معاملات اور اسی طرح کی دوسری اوقات ہمارا طرز عمل ان صفات سے شائستگی اور اخلاق میں بکثرت ایسے لوگ ملتے ہیں جن کی زندگی کا عیوب کا مجموعہ ایمان داری صفات پر مبنی ہو سکتا ہے لیکن بعض کا عذر یہیں بن جایا کرتا ہے یہ حقیقت عام صفات کے باب میں بھی دیکھی جا سکتی ہے شائستگی اور حسن اخلاق پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہم انھیں اچھی طرح سمجھتے ہیں آج خلیق اور شائستہ اور کل کج خلق اور ناشائستہ کام۔ ایک خوش اطوار اور بامروت گھر میں جو پڑے اور رہتے ہوئے ایک صاحب کردار انسان کے وظائف حیات نہایت درجہ مرتب اور منضبط ہوتے ہیں آدمی ان پر پوری طرح بھروسہ کر سکتا ہے اس کے جذبات اور خیالات، خواہشات،

کل واضح ہوجاتا ہے۔ جب دین مطالب شرعی و عملی دونوں طرح سے اپنانے حق کا نام ہے اور "دین" کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی ایسی ہمہ گیر فرمانبرداری اور سمع و طاعت کا نام ہے جس سے حیاتِ انسانی کا کوئی ایسا حصہ ڈھکا چھپا نہیں رہ جاتا ہے جس کی طرف اس نے رہنمائی اور رہبری کی خدمت انجام نہ دی ہو تو "اقامتِ دین" کا مفہوم لازماً یہی ہوگا اور صرف یہی ہو سکتا ہے کہ دین پر ایمان رکھنے والے یہ سمجھے ہوں کہ دین آخر کس چیز کا نام ہے اسکے اصول قواعد و ضوابط، احکام و ہدایات اور اسکے مطالبے و تقاضے سے بطور احسن واقف ہوں اور اسکی غرض و غایت سے باخبر ہوں۔ انہیں یہ معلوم ہو کہ وہ دنیا و آخرت میں انکو کیا مقام اور منزلت عطا کرتا ہے۔ ان کا مقصدِ وجود کیا ہے؟ اسے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اسکے اوامر و نواہی کیا ہیں؟ زندگی کے شعبہ جات اور جملہ مسائل میں انہیں کیا حکم دیتا ہے اور ان کا حل کس طرح سے اور کیا بتاتا ہے؟ انفرادی و اجتماعی حیثیت سے انکی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ان تمام چیزوں سے باخبر ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ان کو عملی جامہ بھی پہنانے کی کوشش کرتے ہوں اور اپنے آپکو اس سانچے میں ڈھالیں جو وہ انہیں قرآن و سنت کے ذریعہ سے عطا کرتا ہے۔ اسکی زندگی کے ہر شعبے میں احکام شریعت کا نفاذ ہو۔ اسکی زندگی کی عمارت اسی کی بنیاد پر اٹھے۔ کوئی بھی معاملہ ہو اس کو اسی کی رہنمائی میں حل ہونا چاہئے۔ اس طرح سے کہ اس کی ذات اور اس کے پورے معاشرے سے اسلام کی شان و شوکت کا ظہور ہو اور کسی کو بھی اگر دین اور اسکی اقامت کا مشاہدہ کرنا ہو تو وہ اس دینی معاشرے کو محض دیکھ کر ہی اسکا اندازہ لگالے۔

۲ **اہمیت**:- یہ حقیقت ہے کہ کسی خاص اور اہم نصب العین اور ایک خاص جماعت کے افراد کی زندگی ان کے اپنے خاص مقاصد اور نصب العین کے محور کے گرد چکر کاٹتی رہتی ہے۔ ان کا نصب العین ہمہ تن ان کے پیشِ نظر رہتا ہے۔ اور مقصد کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب وہ اسے دل و جان سے بھی عزیز رکھتے ہوں مقصد سے گہرا اور والہانہ عشق اور اصولوں پر مکمل ایمان ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ وہ مقصد ہمیشہ زندہ و پائندہ رہتا ہے اور ہلاکت و بربادی اس کے قریب نہیں پھٹک سکتی۔ یہ عشق و یقین ہی اس کی عزت و اقبال کے لئے راہ ہموار کرتی ہیں۔ پھر اس کا ایک اہم اور بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کا اجتماعی نظم و نسق اس کے ہاتھوں میں ہو اور وہ اپنے اوپر کسی ایسی حکومت طاقت اور اجتماعی نظم کو ہرگز برداشت نہ کرے جس کی عمارت اس کے لئے پسندیدہ اور ہر دل عزیز بنیادوں پر نہ کھڑی کی گئی ہو بلکہ اس کی پوزیشن اس مچھلی کی طرح ہو جس کو اگر پانی سے نکال دیا جائے تو تڑپ تڑپ کر جان تو دینا گوارہ کرلے مگر خشکی میں رہنا ہرگز پسند نہ کرے۔ اپنے مقصد و اصول کا نفاذ اس میں ہمہ آن کیفیتِ سیماب پیدا کردے اور جب تک کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو جائے یہ کیفیت اس سے زائل نہ ہو۔ اسے اپنی جان و مال تک کی قربانی دینے پر مجبور کردے اور اسے اطمینان و سکون کی سانس اس وقت تک نہ لینے دے جب تک کہ وہ غیر کے نظام کی دھجیاں نہ بکھیر چکا ہو انکا تختہ الٹ کر نہ رکھ دیا ہو اور اپنے سامنے اس کا جنازہ نکلتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہو۔ لیکن اگر اس کے برخلاف اس کے افراد اس سے وابستگی اور عشق و محبت کے نعرے تو بلند کرتے ہوں مگر میدانِ عمل میں ان کا ڈبہ گول ہو مقصد سے گہرا عشق نہ ہو اور نہ ہی دل و جان سے عزیز ہو اسکے اصولوں پر ایمان کمزور ہو گیا ہو تو یہ چیز اس کے مرمٹنے کی ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ پھر یہی چیز اس کو باطل سے مداہنت تک پر اکساتی ہے اور جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ حیاتِ ملی کے علمبرداروں نے اپنے خزانوں کی چابیاں اپنے ہی دشمنوں کو دیدیں اور اب اس سرمایہ کا راہزنوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں لگ جانا ایک یقینی امر ہے۔ پھر زوال ہو یا عروج کسی چیز کی فطرت میں ٹھہراؤ کی کیفیت پائی ہی نہیں جاتی۔ وہ اگر ترقی نہ کرے گی تو لازماً پیچھے دھکیلی جائیگی اور جوں جوں افراد کے اندر یقین و عشق کا زوال بڑھتا رہتا ہے وہ ہمیشہ تنزلی کے گہرے کھڈ میں گرتی ہی چلی جاتی ہے۔ بالآخر ایک موڑ وہ آتا ہے جہاں پہنچ کر احساسِ زیاں بھی ہتھیار ڈال کر دم توڑ دیتا ہے اور جب وہ تعاون و مداہنت کا بیڑا بھی پار لگا

چلے ہوتے ہیں تب یہ جماعت خود اپنے ہی افراد کے ذریعہ اپنی تجہیز و تکفین کا انتظام کر لیتی ہے۔

تاریخ کا پردہ اٹھا کر دیکھئے ۱۹۱۷ء میں پہلی عالمی جنگ کے موقع سے فائدہ اٹھا کر جس سرخ انقلاب میں اشتراکیت کے علمبرداروں نے اپنا خون بہایا، ہزاروں کی تعداد میں سائبیریا کے برفستانی جہنم میں جھونک دیئے گئے۔ مگر کیا انھوں نے اپنے فکر و عقیدے سے انحراف بھی کیا؟ انہیں چونکہ زار کی چیرہ دست حکومت کا تختہ الٹ کر اشتراکیت کو غالب کرنا تھا اس لئے وہ موت کو منہ کھولے دیکھ کر اسمیں کود پڑے۔ جرمنوں نے اپنے مقصد کے حصول کیلئے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کیا۔ صدر مارشل ٹیٹو نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے ۱۹۴۰ء میں نازی جرمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ اور اپنے مقصد کے حصول ہی کے لئے ۱۹۶۷ء میں علامہ تھکی نے مغربی بلاک پر زبردست طمانچہ رسید کیا۔ اگر ان حضرات کو اپنے مقصد سے عشق و محبت نہ ہوتی تو پھر آخر کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کیلئے ہر طرح کی قربانیاں دینے کے لئے کمربستہ ہو جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ کوئی بھی مقصد ہو وہ اپنے پیچھے قربانیاں اور جاں سپاریاں چاہتا ہے۔ کوئی بھی گھٹیا سے گھٹیا مقصد ہو اگر ایثار و قربانی اور جاں فروشی اس کی پشتیبانی کرتی ہیں تو وہ لازماً سرخروئی اور کامیابی سے ہمکنار ہو کر رہتی ہے اس کے برخلاف عظیم سے عظیم مقصد جس کی پشت پر یہ جذبہ کارفرما نہ ہو تو وہ اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

۳۔ اولین ذمہ دار اور انکے ساتھ ہماری معیت و وابستگی:- اقامتِ دین کی گرانبار ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہونا بظاہر کسی جوئے شیر لانے سے کم نہیں مگر جرأت فرہادی وہ شے ہے جو انسان کے بازوؤں میں کہسار شکن قوت عطا کرتی ہے۔ اس اہم ذمہ داری کے اولین ذمہ دار انبیاء علیہم السلام تھے۔ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے دین کا مکمل علم عطا کیا اور ساتھ ہی انہی کو اس ذمہ داری کے منصب پر کھڑا کیا۔ پھر انکے خلوص کا یہ عالم تھا کہ اگر یہ قولی و عملی اعتبار سے اس کا حق ٹھیک ادا کر دیں تو عوام الناس پر حجت قائم ہو جاتی ہے ورنہ دوسروں کی حجت انہی پر ثابت ہو جاتی کہ اللہ تعالیٰ نے جو نسخہ ہدایت آپ کو عطا کیا تھا اسے آپ نے ہم سے کیوں چھپایا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی گرانباری کو محسوس کرتے تھے اور لوگوں پر حجت قائم کرنے کی جان توڑ کوشش کرتے تھے۔ یہ ان ہی کے ذریعہ سے ان لوگوں نے حق و سلامتی کا راستہ پایا وہ ایک امت بنا دیئے گئے اور پھر اقامت دین کی بھاری ذمہ داری ان کے نازک کندھوں پر ڈالدی گئی اور انبیاء علیہم السلام کے نائب اور جانشین ہونے کی بنا پر ان پر یہ فرض عائد کیا گیا کہ اگر یہ اپنی اس ذمہ داری کو بے کم و کاست ادا کر دیں تب تو یہ بری الذمہ ہیں ورنہ یہ بھی گرفت سے نہ بچ سکیں گے۔ یہی وہ نازک ذمہ داری ہے جو ہم پر اور ان لوگوں پر جو اپنے آپ کو امتِ مسلم میں سے کہتے ہیں اس تسلسل کے ساتھ عائد ہوتی ہے۔ نبی کریمؐ اور تبع تابعین رحمہم اللہ نے اپنی ذمہ داریاں ادا کیں اور علم و عمل دونوں اعتبار سے اقامتِ دین کی ذمہ داری پوری کر دیں اور کبھی بھی اپنے اوپر کسی ایسی طاقت کا تسلط برداشت نہ کیا جو اقامتِ دین کی راہ میں حائل ہو سکتی ہو۔

۴۔ ہماری ذمہ داریاں (بحیثیت ایک مسلمان کے):-

اب جبکہ یہ ذمہ داری ہم پر آپڑی ہے تو ہمیں بھی قولی و عملی اعتبار سے اس کی شہادت دینی ہوگی۔ قولی شہادت کی صورت یہ ہے کہ ہم زبان و قلم سے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ تفہیم و تذکیر، دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت کے دلنشیں انداز اور علم و فنون کا جتنا ذخیرہ بھی ہمارے پاس ہے ان کی مدد سے ہم دنیا کو خصوصاً ہندوستان کو نورِ الٰہی کی کرنوں سے منور کریں۔ اعتقاد، اخلاق، سیرت، تمدن، معاشرت، کسب معاش اور لین دین، قانون، عدالت، سیاست، تدبیر مملکت اور بین الانسانی معاملات کے تمام ہی پہلوؤں میں خدا نے انسان کو جو رہنمائی کی ہے وہ ان کے سامنے پیش کریں، اس کی حقیقت واضح کریں، دلائل و شواہد سے اس کی حقانیت ثابت کر دیں اور اس کے برخلاف جو چیزیں ہیں ان کی معقول تنقید و تردید کر کے اس کے نقص اور اس کی بے ثباتی کو واضح کریں۔ اب رہی عملی شہادت تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے قول و عمل میں تضاد نہ ہو۔ جو کچھ کہیں عملاً خود اس کی تصدیق

کریں۔ ہم اس کی چلتی پھرتی اور منہ بولتی تصویر ہوں۔ دنیا جو کچھ ہم سے سنے خود ہماری زندگیوں میں اس کی صفات و برکات کا اندازہ کرے۔ وہ ہمارے انفرادی معاملات سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی معاملات تک میں وہ مٹھاس اور شیرینی چکھ لے جو ایمان و اخلاق میں ایمان کی حلاوت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے سامنے ہمارا پورا معاشرہ صالح اور پاکیزہ بن کر آرام و سکون اور راحت و فرحت کی جنت نظر آنے لگے۔ وہ عدالت کے بے لاگ منصفانہ فیصلے، صحیح ترین لائن پر علوم و فنون کا نشوونما اور زندگی کے جملہ پہلوؤں میں سدھار کو محسوس کرے اور کس طرح زندگی کے جملہ معاملات خیر و برکت اور بھلائیوں سے مالا مال ہیں؟ اس پر وہ رشک کرتی رہ جائے۔ ہم فرداً فرداً بھی اور قومی حیثیت سے بھی اپنے دین کی حقانیت پر مجسم شہادت بن جائیں۔ ہمارے اخلاق مدارس، مساجد، عدالتیں، کارخانے اور پارلیمنٹ اس سے منور ہوں اس کی خوبیوں کی سند پیش کریں۔ ہمارے چھوٹے مسائل سے لے کر بین الاقوامی مسائل تک اس کی روشن دلیل ہوں۔ پھر اس کی تکمیل کے لئے ایک ایسے State کی بھی ضرورت ہوگی جو انہی پاکیزہ اصولوں پر مبنی ہو اور یہ اپنی داخلی و خارجی پالیسی سے، جنگ و صلح کے طریقوں سے، حسن انتظام سے، عدل و انصاف اور رائے عامہ کی فلاح و بہبود سے یہ ثابت کر دے کہ یہی وہ ideology ہے جو حقیقتاً نجاتِ انسانی کا ضامن ہے۔ اس کے انوار سے شہر و مکان منور ہوں۔ تبھی ہمارے یہ عظیم ذمہ داری ادا ہو سکے گی۔

۵۔ ہماری ذمہ داریاں (بحیثیت ایک طالب علم کے):

اب میں چند ان ذمہ داریوں کا ذکر کرونگا جو ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے ہماری پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنے مقام اور مرتبے کو پہچانیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سے زیادہ اس وقت دنیا میں کوئی قوم معزز نہیں ہم وہ ہیں جن کے لئے سمندر کی مچھلیاں اور بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں ہمہ آن دعا گو رہتی ہیں اور ملائکہ تک ہماری راہ میں اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ نہ جانے کتنی ہی بحر و بر اور ارض و سماء کی مخلوقات ہمارے حق میں دعائے خیر کرتی ہوں گی۔

اس لئے ہم پر لازم ہے بحیثیت students کہ ہم اقامت دین اور اسکے تقاضوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں اور اس راہ کے روڑوں سے واقف ہو لیں۔ ہم مختلف علوم و فنون میں اعلیٰ بصیرت پیدا کریں۔ مختلف ازموں اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کریں۔ اسلام دشمن طاقتوں کو سمجھیں اور اسی لحاظ سے اپنی چاروں فطری صلاحیتوں، روحانی، اخلاقی، دماغی اور جسمانی صلاحیتوں کو نشوونما دیں۔ اپنے قلب جگر اور ذہنوں میں اسلام کی جڑیں گہری اور مضبوط کریں۔ عملاً اس کا ظہور ہو۔ ہماری دماغی صلاحیتیں ہمہ آن تجسس و تفکر اور ارض و سماء کے حقائق کی کھوج میں پڑی ہوں اور ہمارے جسم کے رگ و پے اور ایک ایک قطرے خون سے ہمارے عزم و قوت کی جھلک دکھائی دے اور جب ہم یہاں سے نکل کر میدان عمل میں قدم رکھیں تو تمام ہی باطل و سامراجی قوتیں ہمیں اپنے لئے مہلک اور تباہ کن سمجھیں ہمارا ہر ہر قول اور عمل ماسکو اور واشنگٹن کو ایک دھماکے میں اڑا دے۔ کمیونزم خود چین روس میں اور جمہوریت خود امریکہ و انگلینڈ میں اپنا مدفن اور قبرستان تیار کرے۔ ہم دہلی سے ریاض تک، پیکنگ سے ماسکو تک اور لندن سے واشنگٹن تک اسلام کا پرچم لہرا دیں۔ ہمارا ملک بروقت بیرونی خطرات سے کہیں زیادہ داخلی خلفشار کا شکار ہے۔ اخلاق کا یہاں سے جنازہ اٹھ چکا ہے۔ سیاسی رسہ کشی جاری ہے۔ آسام سے گجرات تک اور کشمیر سے کنیا کماری تک ہمارا ملک تباہی کی زد میں آچکا ہے۔ چوری، ڈاکہ زنی اور قتل و غارتگری میں بحر العقول ترقیاں ہو رہی ہیں۔ پھر یہ کہ ہماری محترمہ وزیر اعظم مسز گاندھی خواہ مخواہ جنگ کا ہوا کھڑا کر کے آگ پر تیل کا کام انجام دے رہی ہیں۔ اب اگر ان حالات میں ہم نے اپنے مرتبے کو نہ پہچانا اپنے ملک کو تباہی و بربادی سے نہ بچایا اور اپنی چاروں فطری صلاحیتوں کو پروان نہ چڑھایا تو اقامتِ دین کا حق ہم سرے سے ادا کر ہی نہیں سکتے۔ قول و عمل میں اتحاد، فکر و نظر میں یکسوئی اور اخلاق و کردار کی بلندی ہی ایک مومن کے سب سے کارگر ہتھیار ہیں۔ ان سے ہی مسلح ہو [illegible]

بدوؤں نے دنیا کے راہزنوں اور ڈاکوؤں کو انسانیت و شرافت اور عصمت و عفت کا ضامن بنا دیا تھا بھیڑ بکریاں اور اونٹوں کے چرانے والوں نے تہذیب کی شمعیں روشن کی تھیں لہذا ہمیں بھی خود کو ان سے لیس کرنا ہوگا۔

مختصر یہ کہ ہم اسلام پر ایک نو مسلم کی حیثیت سے خوب سوچ سمجھ کر ایمان لائیں جس کے متعلق ہمارے دل و دماغ گواہی دیتے ہیں۔ ہم صرف غیر مسلموں ہی کو نہیں بلکہ خود مسلمانوں کو بھی دعوت دیں اس سے ہماری مراد اس نام و نہاد مسلم سماج کو باقی رکھنا ہرگز نہ ہو جو خود ہی اسلام سے کوسوں دور ہے بلکہ یہ دعوت اسلئے ہو کہ ہم سب مل کر ظلم و طغیان کو دنیا سے ختم کر دیں۔ انسان پر سے انسان کی خدائی کو مٹائیں اور قرآن کے اصولوں پر ایک ایسی دنیا تعمیر کریں جس میں ہر انسان کیلئے بحیثیت انسان کے شرف و عزت ہو حریت و مساوات ہو عدل و احسان ہو اور اگر خدانخواستہ ہم نے اپنی ذمہ داری کا بیڑا پار نہ لگایا تو پھر سوچنے کا مقام ہے کہ خدا نے آخر ہمیں وہ مرتبہ کیوں عطا کیا جس پر ساری دنیا رشک کر رہی ہے پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری جگہ ایک دوسری قوم اٹھے اور اس خدمت کو انجام دے یہ کام بہرحال ہو کر رہے گا۔

"لیکن" جو خود بڑھ کر اٹھا لے مینا اسی کا ہے"۔ اس لئے اب ہم تمام ہی لغویات سے کنارہ کش ہو کر اس عظیم الشان کام میں اپنی ثروت و قوت اور اپنے اوقات و جانیں جھونک دیں تجسس شاہین اور قلب فرہاد پیدا کریں جس کی تکمیل میں صرف ہماری ہی نہیں، آئندہ نسلوں کی بھی دنیوی و اخروی فلاح مضمر ہے۔ تاریخ کی جھنکار سے وقت کی نفیر صاف سنائی دے رہی ہے کہ۔

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز!!
از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز

انقلاب کے جانگسل تقاضے

ایک غالب نظام زندگی کسی معاشرے پر اسی طرح حاوی اور محیط ہوتا ہے جس طرح کسی کمزور اور نازک پودے پر آکاش بیل پوری طرح چھا گئی ہو۔ اس کے زنجیر نما تار و پود کا ایک ایک تار پودے کے ایک ایک پتے ایک ایک کونپل اور ایک ایک ٹہنی کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیتا ہے اور جب اس محیط بیل کی گرفت سے پودے کو آزاد کیا جاتا ہے تو بیل کا ایک ایک تار حلقۂ زنداں بن بن کر ایک ایک پتی اور شاخ پر مزاحمت کرتا ہے اور پودے کی آزادی کو اسی طرح ناممکن بنا دیتا ہے جس طرح ناخن کا گوشت سے آزاد ہونا دشوار ہوتا ہے۔

پورے معاشرے کو اس عمل آزادی کی جد و جہد کے دوران میں کرب و اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہوتا کہ یہ کام ٹھنڈے میٹھے ہنسی خوشی انجام پا جائے جس طرح نازک جلد پر چپٹے کنکھجورے کو علیحدہ کرنا ایک دشوار کام ہے کہ وہ اپنے لاتعداد زہریلے پاؤں گوشت کے اندر پیوست کئے رہتا ہے اور ایک ایک پاؤں کا اکھڑنا سخت کرب کا موجب ہوگا اسی طرح غالب نظام کے گرفت ہوئے چنگل سے کسی معاشرے کی آزادی کا عمل انقلاب بھی بڑا جان جوکھوں کا کام ہے اور اسی دل گردے کے لوگ انجام دے سکتے ہیں۔ جو سب طرف سے منہ موڑ کر اپنے آپ قبول کئے ہوئے مقصد کو ہی اپنے آپ حوالے کر دیا ہو اور اس مقصد کو کامیاب کرنے کی خاطر اپنی ہستی کی ساری متاع جھونک دینے کے لئے اسے ہتھیلی پر لئے پھرتے ہوں۔ جن لوگوں نے کسی مقصد کو قبول بھی کیا ہو اور پھر اس کی راہ میں کچھ تحفظات (Reservations) بھی رکھتے ہوں ان کا کام کوئی انقلابی عمل انجام دینا نہیں ہے بلکہ جب وہ تحریک انقلابی عمل کے مراحل طے کرنے تو پھر اس کی خدمت کیلئے کرنے کا سپاہی بن جاتا ہے۔

(ماخوذ از تحریک مجاہدین)
(از سید اسعد گیلانی)

قرآن ـــــ ایک آفاقی کلام

اسلوب حدیث کی روشنی میں

شیخ زرقار

تلخیص و ترجمہ حافظ نعیم الدین اصلاحی

عربی زبان وادب کے علماء سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ قرآن مجید اور حدیث پاک اپنے اسلوب، انداز بیان، طرز ادا اور لب ولہجہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں جو شخص بھی قرآن مجید کے اسلوب بیان اور حدیث پاک کے طرز تخاطب کا بغور مطالعہ کرے گا اسے یہ بات ماننے میں ذرہ برابر بھی تامل نہ ہوگا کہ قرآن وحدیث دونوں کا منبع، مصدر اور سرچشمہ الگ الگ ہے۔

جہاں تک احادیث رسول کا تعلق ہے (آگے چل کر مثالوں سے واضح ہوگا) تو یہ عربی زبان وادب کی معروف، متداول اور مخصوص روایات کا اعلیٰ ترین اور شاندار نمونہ ہیں۔ چنانچہ احادیث پاک میں جگہ جگہ بات چیت، افہام وتفہیم سوال وجواب اور خطابات کا وہی آہنگ نظر آتا ہے جس سے عام طور پر صحرائے عرب کے بادیہ نشین آشنا تھے، لیکن اس اشتراک ومماثلت کے باوجود آپ کا ارشاد گرامی بعض حیثیتوں سے عرب کے دوسرے ادباء کے کلام سے بالکل ہی نمایاں اور ممتاز ہے۔ زبان نبوت سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اپنے اندر ایک جہان معانی رکھتا ہے آپ کا کلام حشو وزوائد سے پاک اور نحوی وصرفی اسقام سے بالکل مبرا ہوتا ہے۔ آپ کا کلام صرف ونحو کے مطابق ہونے کیساتھ ساتھ عربی زبان وادب کا اعلیٰ اور دلکش نمونہ ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کا اسلوب بھی بالکل انوکھا اور نرالا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن پاک اور کلام عرب کے اسلوب میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے خدا کا کلام دین کے بنیادی مسائل، شرعی احکام وقوانین، اخلاقی تعلیمات اور روحانی ارشادات کو تشبیہات وتمثیلات کے ایسے دلکش ودل آویز اسالیب میں بیان کرتا ہے جن کا وجود دنیا کی کسی بھی کتاب میں نہیں ملتا دنیا کی کسی بھی قانونی کتاب کو لیجئے اور قرآن مجید کے احکام وقوانین سے اسکا موازنہ کیجئے پھر دیکھئے کیا ان دونوں میں کوئی نسبت ہے؟ اسی طرح کسی ناصحانہ کتاب کو قرآن مجید کے اخلاقی اصولوں اور روحانی تعلیمات کے سامنے رکھکر غور کیجئے کیا موضوع اور عنوان کی یکسانیت اور ہم رنگی کے باوجود دونوں میں ادنیٰ مناسبت بھی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اور عربی کی دوسری کتابوں کے درمیان اسلوب بیان اور طرز ادا میں بہت بڑا فرق ہے چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیت کو بھی اگر آپ عربی زبان کی لمبی لمبی عبارتوں

کے درمیان رکھ دیں جب بھی آپ دیکھیں گے کہ قرآن
اس طرح ہے جیسے کہکشاں کے درمیان چاند۔

حدیث کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے چونکہ
اس کا اسلوب اور انداز و آہنگ عربی زبان کے
مروجہ اسلوب سے ملتا جلتا ہے اسی لئے بہت سی
جھوٹی احادیث گھڑ کر معاندین اسلام کو آنحضور
کی طرف منسوب کرنے کا اچھا بہانہ مل گیا انکی اصلیت
صحت کا اندازہ صرف انکی سندوں سے ہو سکتا ہے، اسلوب
بیان سے احادیث موضوعہ اور صحیحہ کے درمیان فرق
کرنا مشکل ترین امر ہے۔

اہل علم و دانش کے یہاں یہ امر مسلم ہے کہ
تاریخ انسانی میں کوئی شخصیت ایسی نہیں گذری ہے
جو دو متضاد افکار، خیالات اور اسلوب بیان کی
حامل رہی ہو۔ کیونکہ ایک شخص اگر چاہے کہ وہ اپنے
فطری متعین اور معروف اسلوب سے ہٹ کر کوئی
نیا اسلوب اختیار کر کے گفتگو کرے تو تھوڑی دیر میں
اس کا بھرم کھل جائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے
گا کہ یہ شخص تکلف کے ساتھ بول رہا ہے۔ لیکن آخر
وہ کون سی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث کے موضوع میں
بہت بڑا فرق معلوم ہوتا ہے؟ غیر مسلم اسلام دشمن
اور مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ قرآن مجید محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصنیف ہے تو آخر وہ اس کا
کیا جواب دیں گے؟

ہر وہ شخص جو عربی ادب کا ذوق سلیم رکھتا ہو
وہ دونوں اسالیب کے فرق و امتیاز کو بیک نگاہ
سمجھ سکتا ہے مزید وضاحت کیلئے ہم چند مثالیں
پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو امر بالمعروف و
نہی عن المنکر کی جگہ جگہ تلقین کی گئی ہے۔ ایک جگہ
خداوند قدوس کا ارشاد گرامی ہے۔

"ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون
بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولئک ھم
المفلحون"

ٹھیک اسی موضوع پر ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں
لتامرن بالمعروف و تنہون عن المنکر
او لیسلطن اللہ علیکم فیدعو خیارکم
فلا یستجاب لھم۔

۲۔ مسلم معاشرے اور صحت مند سماج کے لئے ضروری
ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کیساتھ اخوت و بھائی
چارہ، محبت و ہمدردی خلوص و یگانیت، الفت و
محبت اور احسان و غمخواری سے پیش آیا جائے۔
اس بنیادی حقیقت کی طرف قرآن مجید نے جابجا
ارشادات کئے ہیں۔ اور آنحضور نے بھی موقع
بموقع اپنے خطبوں میں پرزور انداز میں اس کی
تلقین کی ہے۔

آیت کریمہ کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۔ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم
واتقوا اللہ لعلکم ترحمون

۲۔ یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر
و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل
لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم
ان اللہ علیم خبیر۔

ارشادات رسول بھی پڑھتے چلیں۔

"المسلم اخو المسلم لا یظلمہ و لا یسلمہ"
یا ایھا الناس ان ربکم واحد و ان
اباکم واحد کلکم لآدم و آدم من تراب
لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی
و لا لاحمر علی اسود و لا لاسود علی احمر

الا بالتقویٰ۔

من ابطأ به عمله لم یسرع به نسبه

۳- قرآن مجید قانون قصاص بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے

ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون۔

اس کے مقابلے حدیث شریف میں ہے۔

اقامۃ حد بارض خیر لاھلھا من مطر اربعین صباحاً۔

یہ تو چند مثالیں ہوئیں حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید معاشرت، تہذیب، تمدن، سیاست، معیشت، اخلاق معاملات، عبادات وغیرہ کے جتنے مسائل بیان ہوتے ہیں اگر ان کا حدیث سے موازنہ کیا جائے تو ہر ذی شعور اور ہوشمند انسان کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں اسلوبوں کا منبع اور مصدر الگ الگ ہے دونوں کی تشبیہات وتمثیلات تلمیحات واستعارات میں واضح فرق ہے۔

جیسا کہ مثالوں سے واضح ہوا کہ کلام نبوت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی زبان وادب کے اصول وضوابط کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور کہیں بھی اس سے انحراف نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم اس حیثیت سے کلام رسول بالکل نمایاں اور ممتاز ہے کہ یہ حشو وزوائد سے پاک، تصنع، بناوٹ اور مبالغہ آرائی سے بالکل خالی ہے۔

اسی طرح قرآن وحدیث کا طالب علم ہر ہر قدم پر یہ محسوس کرتا ہے کہ "خدا" اور "رسول" کی ذات میں زمین وآسمان کا فرق ہے، قرآن کا پڑھنے والا جانتا ہے کہ اس سے ایک ایسی ذات مخاطب ہے جو اس کائنات کی خالق، فرمانروا اور مرکز قوت واقتدار ہے، صرف اسکی ذات ہے جو عفو ودرگذر علم وحکمت رأفت ورحمت اور شفقت ومہربانی کا منبع اور سرچشمہ ہے صرف یہی ایک ذات ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جس کی رضا اور خوشنودی ہر فرد بشر کیلئے ضروری ہے اس ذات کے سامنے پوری کائنات سجدہ ریز ہے ہوائیں اسکے چلائے چلتی ہیں، بادل اسکے برسائے برستے ہیں شمس وقمر کی گردش لیل ونہار کی آمد وشد اور نجوم وکواکب کی تابانی ودرخشندگی اس کی قدرت کا کرشمہ ہیں۔

یہ ذات پاک اپنا تعارف ان الفاظ میں کراتی ہے۔

"اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السموات وما فی الارض

واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھم القول فدمرناھا تدمیرا"

ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمن الرحیم

ھو اللہ لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر۔ سبحان اللہ عما یشرکون ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم۔

اس کے برخلاف حدیث میں ایک ایسی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے جو بشریت کی ساری خصوصیات کی حامل ہے، اس کے اندر ضعف اور کمزوری بھی ہے اور عجز ودرماندگی بھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے اندر ذات حق پر کامل یقین اور بھرپور اعتماد پایا جاتا ہے یہ اعتماد ویقین اتنا پائیدار مضبوط اور مستحکم ہے کہ اسے دنیا کی ساری چیزیں ہیچ نظر آتی ہیں۔

ملاحظہ ہو آنحضور کا ارشاد گرامی۔

واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر ما فعلت حتی یظھرہ اللہ و اھلک دونہ

" اللھم اشکو ضعف قوتی وقلت حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین الی من تکلنی الی عدو یتجھمنی ام الی قریب ملکتہ امری، اعوذ بنور وجھک الکریم الذی اضاءت لہ السموات والارض واشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ ان تحل علی غضبک او تنزل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

آخری بات:۔ اس موازنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ زبان ادب انشاء اور حسن بیان کے اعتبار سے قرآن وحدیث کے اعتبار سے قرآن وحدیث کے درمیان جو فرق ہے اسے واضح کیا جائے تاکہ جو لوگ قرآن مجید کو پیارے رسول کی تصنیف خیال کرتے ہیں ان کی دروغ گوئی کذب افترا پردازی کی قلعی کھل جائے اور یہ بات صاف ہوجائے کہ قرآن وحدیث دونوں کا منبع اور سرچشمہ جدا جدا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بقیہ مرد کامل تجسس کے کچھ طریقے ایسے بھی ہیں کہ آدمی کو نفرت وملامت کا نشانہ بنا کر چھوڑتے ہیں اور بعض ایسے کہ آدمی انکی بدولت لائق تحسین وآفریں قرار پاتا ہے بہرحال اس شوق تجسس کو تمنا ضرور ہے اسے نظر انداز کسی حال میں نہیں کیا جاسکتا۔

بقیہ لیا جائیگا تجھ سے کام آپ کی گود میں انسانیت کے معمار اور اسلام کے علمبردار پروان چڑھیں۔ آپ ان کے اندر اسلامی حمیت کا جوہر پیدا کر سکیں اس اپنے اخلاق وکردار کو اسلامی تعلیمات کے سانچہ میں ڈھالنے کی ابھی سے کوشش کیجئے۔ یاد رکھئے عورت کا حسن وجمال اسکے سیکھے ناز و انداز فیشن پرستی اور پرکشش اور غیر ساتر لباس اور تراش خراش میں نہیں بلکہ شرم وحیا اور اخلاق وکردار کی پاکیزگی میں ہے جو انسانیت کا جوہر اور عورت کا زیور ہے اگر عورت ان بے بہا اوصاف وخصائل سے تہی داماں ہے تو بہترین کپڑوں اور قیمتی زیورات کے باوجود خون وپیپ رستا ہو گور و کفن لاشہ ہے۔

آپ تعلیمی اوقات کو زیادہ سے زیادہ منظم کیجئے تاکہ آپ اپنے متعین کردہ دائرہ کار، اپنی عائلی ذمہ داریوں اور اپنے حقوق وفرائض کو بخوبی سمجھ سکیں آپ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک فرمانبردار بیٹی، ذمہ دار بیوی اور تجربہ کار ماں بن سکیں۔ عورت کا دائرہ کار اس کا اپنا گھر ہے آپکو شمع محفل نہیں بلکہ گرہستن خاتون ہونا چاہئے تاکہ آپ اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کر سکیں۔

تعلیم عورتوں کی ضروری تو ہے مگر۔!
خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

عبدالمجید قریشی

علی گڈھ کا نائٹ بوائے

ایک شوخ و شنگ طالب علم کی دلچسپ شرارتوں کا تذکرہ تین معروف ادیبوں کی زبانی

خان بہادر حکیم احمد شجاع نے اپنی آپ بیتی "خوں بہا" میں مسعود مرحوم کو جن الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے وہ یوں ہے:

"میرٹھ میں جس چیز نے علی گڈھ کی تمام پرکیف سرتوں کی یاد بھلا دی وہ مسعود حسین محمود کی محبوب اور دلکش شخصیت تھی۔

مسعود کو اس نام سے بہت کم لوگ جانتے ہیں مگر علی گڈھ کالج کے پرانے اور نئے طلبہ میں کوئی ایسا بھی ہے جو مسعود ٹائی کے نام سے واقف نہ ہو، یہ وہی مسعود ٹائی تھے جن کے دماغ کی جدت آفرینیاں، جن کے تخیل کی کارفرمائیاں، جن کے حرکات و سکنات کی بوقلمونیاں اور خلوت و جلوت میں جن کی ہنگامہ آرائیاں علی گڈھ اور میرٹھ ہی میں نہیں بلکہ سارے یوپی میں الف لیلیٰ کے افسانوں سے زیادہ مشہور رہیں۔"

ایک دفعہ کا ذکر ہے مسعود ٹائی اور میرٹھ کے تحصیلدار میں کرکٹ کے کسی میچ کے موقع پر تو تو میں میں ہو گئی۔ تحصیلدار صاحب نے مسعود صاحب کو کالج کا ایک طالب علم سمجھ کر ذرا اپنی حکومت کا رعب دکھایا۔ مسعود ایسے دبو بھی نہیں ہوئے تھے کہ کسی کا رعب مانیں۔ انہیں یہ فکر لگ گئی کہ کسی نہ کسی طرح تحصیلدار صاحب کو نیچا دکھائیں۔ آخر ان کو ایک تدبیر سوجھ ہی گئی۔ انہوں نے سر جیمز میسٹن کو جو اس زمانے میں یوپی کے گورنر تھے اور صوبے کے دورے پر میرٹھ آنے والے تھے، میرٹھ کالج کے مسلمان طلبا کی طرف سے ڈنر کی دعوت دے ڈالی۔

سر جیمز میسٹن بڑے ہر دلعزیز اور نیک دل انسان تھے۔ انہوں نے یہ دعوت قبول کر لی۔ دعوت کا انتظام مسعود کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ خان بہادر شیخ وحید الدین اور خان بہادر شیخ بشیر الدین جو میرٹھ میں بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کے نام سے مشہور تھے، کا دولت کدہ میرٹھ کے طلبا کا ملجا اور ہر حاجت مند کا آسرا تھا۔ ان کا خوان نعمت دن رات مہمانوں کے انتظار میں چشم براہ بنا رہتا تھا اس لئے میرٹھ کالج کے مسلمان طلبہ کا نگہبان و مددگار ان کی مہمان نوازی کے لئے کبھی موجب تردد نہ ہوتا تھا۔ غرضیکہ دونوں جود و سخا کے پیکر اور احسان اور مروت کے پتلے اس آڑے وقت میں مسعود کے کام آئے۔ ڈنر کا وہ اہتمام ہوا کہ شاید و باید...!

مسلم ہاسٹل کے وسیع ہال میں بھیا جی کی کوٹھی کا سب سامان آ گیا۔ شاہ بلوط کی میزیں، ساگون کی کرسیاں، چینی کے ظروف اور چاندی کے چھری کانٹے۔

یونائیٹڈ سروس کلب میرٹھ نے کھانے کا مینو تیار کیا اور اس کے تجربہ کار خانساموں نے کھانا پکایا۔ اب ایک چیز کی کمی باقی رہ گئی تھی۔ مسعود کے پاس ڈنر سوٹ نہ تھا۔ آخر اس کی بھی تدبیر ہو گئی۔ مسعود دوڑے گئے اور سر محمد علی کی طرف سے جو

اس وقت "کامریڈ" کے ایڈیٹر تھے، فلپس کمپنی کو اپنے "ایوننگ ڈریس" کا آرڈر دے دیا اور یوں یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ ڈنر کی نشستوں کی ترتیب ہونے لگی تو مسعود کی مہربانی سے بے چارے تحصیلدار صاحب کو میز کے آخری کونے میں جگہ ملی اور مسعود میزبانوں کے نمائندے کی حیثیت سے سر جیمز میسٹن کے پہلو بہ پہلو بیٹھے۔ کھانا کھانے کے دوران میں ہم لوگ یہ دیکھ کر خوش ہوتے تھے کہ مسعود بار بار سب کی آنکھ بچا تحصیلدار صاحب کو ذرا جھک کر آداب کر لیتے تھے۔ یوں مسعود کے جذبۂ انتقام کی تسکین تو ہو گئی مگر ڈنر کا بل بھیا جی کو اور ایوننگ ڈریس کا بل مسٹر محمد علی کو ادا کرنا پڑا۔

جب شہنشاہ جارج پنجم کی تخت نشینی کا دربار دلی میں منعقد ہوا تو اس جشن کو کامیاب بنانے کے لیے حکومت کی لامحدود طاقت اور رعایا کی لازوال وفاداری جو کچھ کر سکتی تھی، کیا گیا۔ ہم علی گڑھ میں بیٹھے بیٹھے ان تیاریوں کی داستانیں سنتے، تو دل مسوس کر رہ جاتے۔ ایسے جشن کی تقریبوں میں شریک ہونے کے لیے بڑے وسائل کی ضرورت اور اس تقریب پر دلی کے ہنگاموں کا لطف اٹھانے کے لیے بڑا پیسہ چاہیے تھا۔ یوں تو دلی میں ظہیر شمس اور عماد حسن کے مکان موجود تھے، مگر یہ دونوں پرانی دلی میں تھے۔ ایک چوڑی والوں میں اور ایک مٹیا محل میں۔

آخر دربار کے دن آ گئے۔ ایک روز مسعود میرے کمرے میں آئے اور کہنے لگے: "دلی کا دربار نہیں دیکھنے؟"

میں نے جواب دیا: "اتنے پیسے کہاں ہیں؟"

کہنے لگے: "آخر کتنے ہیں۔؟"

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا، تو کل بارہ آنے نکلے۔ انہیں ہتھیلی پر رکھ کر کہا:

"ہمارے پاس تو یہ بارہ آنے ہیں۔"

ہنس کر فرمانے لگے: "ذرا بکس میں دیکھو۔"

غرض کرا کے کل تینتیس روپے تھے۔ مسعود نے کہا:

"بہت ہیں، تو تیار ہو جاؤ۔"

مسعود کا بدن اس قدر فربہ تھا کہ وہ خواہ مخواہ موٹے معلوم ہوتے تھے۔ ان کا رنگ اس قدر سرخ و سفید تھا کہ انگریزی لباس میں وہ انگریزوں سے بڑھ کر انگریز نظر آتے تھے۔ انگریزی کا لہجہ اس قدر فرنگیانہ تھا کہ ان کی گفتگو سے ان کا ہندوستانی ہونا کبھی ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ لباس دیسی ہو یا انگریزی بہت شاندار پہنتے تھے۔ بورڈنگ ہاؤس کے کمرے میں اس ٹھاٹھ سے رہتے تھے گویا بورڈنگ ہاؤس ان کی جاگیر ہے۔

بورڈنگ ہاؤس سے چلتے وقت مسعود نے مجھ سے وہ تینتیس روپے لے لیے۔ اسٹیشن پہنچ کر کہنے لگے۔

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ اور جو کچھ میں کروں، وہی کرتے جاؤ۔"

میں نے کہا: "بہت اچھا!"

میں بھی ان کے ساتھ نشست پر بیٹھ گیا۔ دلی کے کنگز وے اسٹیشن پر جب گاڑی رکی تو اترے اور اپنے ملازم خیر محمد کو انگریزی لہجے میں حکم دیا:

"بھوپال کیمپ میں جاؤ اور مہمان خانے کے سپرنٹنڈنٹ کو ہمارا سلام بولو!"

خیر محمد "بہت بہتر حضور!" کہہ کر چل دیا۔ مسعود پلیٹ فارم سے باہر نکل کر کہنے لگے:

"دیکھو بھئی پیسے کم ہیں اور گاڑیوں کا کرایہ آج کل بہت زیادہ ہے اور سچ پوچھو تو سیر کا مزہ آج کل چلنے ہی میں ہے۔ موسم بھی خوشگوار ہے اور چاروں طرف چہل پہل۔ ابھی پہنچے جاتے ہیں۔" پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ چل پڑے۔ کوئی ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ادھر ادھر کی رونق دیکھنے میں ہم اتنے مصروف ہو گئے کہ ہمیں یاد بھی نہ رہا کہ ہم کہاں ہیں اور کدھر جا رہے ہیں۔ پانچ بجے کے قریب ہم "دریبہ" کے سامنے والے بازار میں جا پہنچے۔ وہاں لپٹن کمپنی نے اشتہار کی غرض سے ایک خوبصورت خیمہ سجا رکھا تھا۔ شامیانے کے نیچے قالین، اس پر صوفے اور کرسیاں۔ ان کے سامنے حسین و جمیل تپائیاں، ان پر سفید براق میز پوش۔

مسعود خدا جانے کیسے بھانپ گئے کہ یہاں چائے مفت تقسیم ہوتی ہے، فرمانے لگے۔

"کیوں بھئی چائے پیو گے؟"

میں نے کہا "چائے کا وقت تو ہے۔"

فرمایا "تو پھر آؤ۔"

شامیانے میں جا کر ہم نے بڑے مزے سے چائے پی۔ چائے پینے کے بعد مسعود نے بڑے سرپرستانہ انداز میں منیجر سے کہا:

"انتظام بہت اچھا ہے۔"

اس سفر کی ساری روداد بیان کرنے کے یہ جگہ کافی نہیں بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہم نے ان تین روز میں کبھی تو لنچ اعلیٰ حضرت شہریار دکن کے مہمان خانے میں کھایا، کبھی تاجدار رام پور کے مہمان خانے میں، ڈنر کبھی بھوپال کے کیمپ میں تناول کیا تو کبھی بہاول پور کے کیمپ میں۔

میں نہیں جانتا مسعود ان سب والیان ریاست کے کیمپوں کے منتظمین سے واقف تھے یا نہیں، مگر جہاں کہیں ہم گئے، ہماری ایسی آؤ بھگت ہوئی کہ مجھ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہم کہیں بھی بن بلائے مہمان نہیں ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ان تینوں روزوں میں بہ مشکل سے کوئی دس روپے صرف ہوئے ہوں گے ان میں سب سے بڑی رقم ڈھائی روپیہ کی تھی جس سے ہم نے چاکلیٹ کے دو ڈبے خریدے تھے۔ باقی رقم کچھ تو قلیوں کی مزدوری میں اور کچھ ٹرام کے کرائے میں صرف ہوئی۔ ہاں یہ تو میں کہنا بھول ہی گیا کہ بخش الٰہی اینڈ کمپنی کے منیجر سے مسعود کی پرانی یاد اللہ تھی۔ انھوں نے مسعود کو اپنی دکان سے سگریٹ خریدتے دیکھا، تو سیزر سگریٹ کی پچاس ڈبیوں کا ایک پیکٹ مفت نذر کر دیا۔

تیسرے دن ہم ان شاہانہ دعوتوں اور خاطر مدارات کے تکلفات سے تنگ آ کر پرانی دلی چلے گئے۔ میں مسعود سے رخصت ہو کر نانا کے ہاں مٹیا محل چلا گیا اور مسعود اپنے ایک دوست کے ہاں فراش خانے میں۔

دوسرے دن حضور ملک معظم کو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے مجسمے کی نقاب کشائی کرنی تھی۔ میں، مسعود اور ظہیر تڑکے ہی سے جامع مسجد کے سامنے صاحب کے بالاخانے پر جا بیٹھے۔ جب شاہی جلوس نکلا تو ہم سب یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ مسعود بے حد شاندار لباس زیب تن کئے کسی بہت بڑے انگریز افسر کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے جا رہے ہیں۔ بعد میں مجھے مسعود کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ روشن آرا باغ کی اس پارٹی میں بھی شریک ہوئے تھے جو والیان ریاست کی طرف سے حضور ملک معظم قیصر ہند کے اعزاز میں دی گئی تھی۔

★★★

حقیقی بادشاہ

مشہور فقیہ و محدث عبداللہ ابن مبارک ایک مرتبہ رقہ تشریف لے گئے تو ان کے عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر آپ کے استقبال کیلئے امنڈ پڑا۔ اتفاق کی بات کہ ہارون رشید بھی اسی روز اپنی بیگم کے ساتھ وہیں مقیم تھا۔

اس کی بیگم نے محل کے جھروکوں سے یہ منظر دیکھا تو ہارون کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ ہے حقیقی بادشاہت کہ ایک دنیا زیارت کے لئے امنڈ پڑی ہے ایک تمہاری حکومت ہے کہ جب تک پولیس لوگوں کو ڈنڈوں سے ہانک کر نہ لائے ایک آدمی بھی تمہارے استقبال کو بھی نہیں پوچھتا۔

دیکھی سنی باتیں

محمد سمیع اختر
متعلم جامعۃ الفلاح

اتفاق کی بات میرے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا زخمی ہوگیا۔ میں دن بھر پریشان رہا۔ کیونکہ جب میں انگوٹھے کو تکلیف سے بچانے کے لئے اسے علیحدہ رکھ کر کام کرنا چاہتا تو ممکن نظر نہیں آتا اور جب انگوٹھے سمیت کام کرتا تو زخم میں سوزش بڑھ جاتی۔ یہاں تک کہ میں دائیں ہاتھ سے کھانا بھی نہ کھا سکا!!

میرے ذہن میں یہ سوال گونج اٹھا کہ جب انفرادی زندگی کے معمولی معمولی سے کام جسمانی اعضا کے باہم ربط اور تعاون کے بغیر ناممکن ہیں تو پھر اجتماعی زندگی کے وہ اہم اور مخصوص حقوق و مسائل جن پر کسی قوم یا ملت کے وجود و بقا کا انحصار ہوتا ہے ان کا حصول اس قوم و ملت کے تمام افراد کے اتحاد و تعاون کے بغیر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟ کوئی بھی قوم خواہ وہ کتنی ہی عظیم الشان تہذیب و تمدن کی مالک اور علوم و فنون کی علمبردار ہو اس وقت تک ارتقاء کی منزلیں طے نہیں کر سکتی جب تک کہ اس قوم کے افراد باہم دگر متحد و متفق نہ ہوں اور ان میں باہمی تعاون کے جذبات کارفرما نہ ہوں۔

★ ★ ★ ★

میں جیسے ہی دفتر سے نکلا سڑک پر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آیا۔ انسانوں کا ایک جنگل تھا جو بڑھا چلا آرہا تھا۔ چونکہ مجھے مخالف سمت جانا تھا اس لئے میں نے ان کے درمیان سے نکل جانا چاہا لیکن میں جتنا آگے بڑھنے کی کوشش کرتا، انسانوں کا ریلا مجھے اتنی ہی دور پہنچا دیتا۔ بالآخر میں تھک کر جلوس گذر جانے کا انتظار کرنے لگا۔

کسی معاشرہ میں جب برائیوں کا دریا اپنی پوری قوت کے ساتھ بہہ رہا ہو تو نیکیوں کی شاہراہ پر آگے قدم بڑھانا ہی نہیں بلکہ اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے کھڑے رہنا بھی دشوار ہو جاتا ہے اور اسکے برعکس برائیوں اور گناہوں کی طرف قدم بڑھانا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جاتا ہے بلکہ بہاؤ کے رخ پر قدم خود بخود اٹھ جاتے ہیں اور ان سے دامن بچانا ناممکن ہو جاتا ہے۔

★ ★ ★ ★

حیات نو آپ کو کیسا لگا؟
ہم آپکی گرانقدر آراء اور قیمتی مشوروں کے منتظر ہیں

ہر آئینے میں اپنا ہی چہرہ ملا مجھے

غزل

شفق طاہری

ہر منظرِ حیات عجوبہ ملا مجھے
ذرہ بھی تجربات کی دنیا ملا مجھے

تاروں کا قتل پردۂ شب میں ہوا مگر
دستِ سحر سے خون ٹپکتا ملا مجھے

صدیوں کے کارواں بھی کہیں گم خلا میں ہیں
کانوں میں شورِ بانگِ درا کا ملا مجھے

اے شہرِ ناسپاس وفا تیرا شکریہ
جرمِ وفا کا کچھ تو نتیجہ ملا مجھے

جب دشتِ وحشتِ جاں نے بکھیرا مرا وجود
پھر کیوں چمن چمن سے بلاوا ملا مجھے

لٹتا رہا ہوں جاں کے لیے راہِ شوق میں
جیسے تری رضا کا تقاضہ ملا مجھے

دن بھر جلائیں میں نے امیدوں کی مشعلیں
جب رات آئی گھر میں اندھیرا ملا مجھے

میں اپنے دل کے زخم دکھاتا کسے شفق
ہر آئینے میں اپنا ہی چہرہ ملا مجھے

ڈاکٹر ساغر اعظمی

غزل

اجڑی مانگ اور جلے گھر نہیں دیکھے جاتے
اب ان آنکھوں سے یہ منظر نہیں دیکھے جاتے

آج نکلے ہیں وہی ہاتھوں میں خنجر لیکر
جن سے جسموں پہ یہاں سر نہیں دیکھے جاتے

عہد گل، فصل جنوں، رقصِ صبا، کیفِ حیات
خواب یہ قید میں رہ کر نہیں دیکھے جاتے

حادثہ پھر نہ ہوا ہو کسی چوراہے پر
روز تو شہر میں لشکر نہیں دیکھے جاتے

آج کل راہگذاروں پہ نظر آتے ہیں
قتل گاہوں میں جو منظر نہیں دیکھے جاتے

ڈوب جانا ہی مقدر ہے تو ڈرنا کیا
ایسی حالت میں سمندر نہیں دیکھے جاتے

آگ پھیلے تو خدا جانے کہاں تک پہنچے
شہر جلتے ہوئے ہنس کر نہیں دیکھے جاتے

یہ عجب بات جو پتھراؤ کیا کرتا ہے
بس اسی ہاتھ کے پتھر نہیں دیکھے جاتے

گھر میں سہما ہوا بیٹھا رہوں کب تک ساغر
مجھ سے اب وقت کے تیور نہیں دیکھے جاتے

لہو کا دشت

(معرکۂ افغانستان کے پس منظر میں)

یہاں تو حدِ نظر تلک دشت ہے لہو کا
لہو کہ جس میں جمالِ ایماں کی
تیز خوشبو مہک رہی ہے
لہو عقیدوں کی حرمت کا
لہو حقائق کے پیکروں کا
جگر کے ٹکڑوں کا
ان صحیفوں کا
جن میں خالق نے
اپنے فن اور اپنی تخلیق کو مکمل کیا تھا
ان بہنوں کا
جو حسن اور عصمت کا تاج پہنے
مجاہدوں کے نقوشِ پا دیکھنے
گھروں سے نکل پڑی تھیں

عظیم ماؤں کا
جنکی گودوں کی شیر رن کی طرف گئے
اور پھر نہ لوٹے
لہو کے اس دشت میں
میں کب سے کھڑا ہوا ہوں
یہ کس کا خون ہے؟
یہ کس کا خنجر ہے؟
کس سے پوچھیں
چلو چلو
خنجروں سے اور مقتلوں سے پوچھیں۔

عالم اسلام

سید راشد علی حامدی

عرب اتحاد کے بغیر صیہونیت کا مقابلہ ناممکن ہے

اس وقت عالمی سیاست شطرنج کی بساط بن کر رہ گئی ہے۔ اس عالمی بساط سیاست پر امریکہ اور روس دونوں ہی ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوششیں کر رہے ہیں اور دیگر ممالک یا تو خاموش تماشائی بنے کھڑے ہیں یا پھر ان کو مہروں کے طور استعمال کیا جا رہا ہے۔ یوں بڑی طاقتوں کی توسیع پسندانہ ذہنیت ہر روز ایک نیا گل کھلاتی ہے خواہ وہ افغانستان اور پولینڈ میں فوجی مداخلت ہو یا ایران و عراق کی خونریزی، لبنان و فلسطین میں اسرائیلی جارحیت ہو یا ہند و پاک کے باہمی تنازعات سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

لیکن اس وقت جو مسئلہ پوری دنیا کی توجہات کا مرکز بنا ہوا ہے وہ لبنان پر اسرائیلی جارحیت ہے، جنوبی لبنان میں اسرائیل کی ننگی جارحیت اور وحشیانہ قتل عام نے نہ صرف اسرائیل کے توسیع پسندانہ اور جارحانہ عزائم کو بے نقاب کر دیا ہے بلکہ امریکہ اور اس کے حلیف یورپی ممالک کی جمہوریت پسندی اور اس کے امن عامہ کے دعووں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے کیونکہ یہی وہ امریکہ ہے جو افغانستان میں روس کی فوجی مداخلت اور فوج کشی کی مذمت میں پیش پیش تھا آج وہی امریکہ لبنان پر اسرائیلی حملہ کا پشت پناہ بنا ہوا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ بلکہ اقوام متحدہ میں جب بھی اسرائیلی جارحیت کی مذمت اور فلسطینیوں کے حقوق کی بحالی کے لئے قرارداد پاس ہوئی۔ امریکہ نے اسے ویٹو کر دیا دراصل اس سے اس کا مقصد خلیجی ممالک میں امریکی مفادات کا تحفظ ہے۔ تنظیم آزادی فلسطین کے لیڈر یاسر عرفات نے امریکہ پر لبنان میں حملہ کے لئے اسرائیل کو شہ دینے کا جو الزام لگایا تھا۔ امریکہ نے اقوام متحدہ کی۔ لبنان سے اسرائیلی فوجوں کی فوری انخلاء کی قرارداد کو ویٹو کر کے اس الزام کی توثیق کر دی ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ خلیج میں اسرائیلی جارحیت دراصل امریکی جارحیت ہے۔

لبنان پر اسرائیلی حملہ کے پیچھے کئی مقصد ہیں ان میں سب سے اہم مقصد تنظیم آزادی فلسطین کی طاقت کا خاتمہ اور مغربی بیروت سے جلاوطن فلسطینیوں کا بالکل انخلاء ہے تاکہ کوئی آزادی فلسطین اور بیت المقدس کی واپسی کا مطالبہ کرنے والا اور اس کے لئے مزاحمت کرنے والا باقی نہ رہے اور یہ کانٹا نکل جانے کے بعد وہ شام کو جنگ میں الجھا کر اس کی قوت بھی خاک میں ملا دے۔ صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ اگر اسرائیل تنظیم آزادی فلسطین کی قوت کچلنے اور جلاوطن فلسطینیوں کو لبنان سے نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو صیہونیت کا یہ سیلاب یقیناً اردن اور شام کو بھی بہا لے جائے گا۔ پھر سعودی عرب اور مصر کی کیا حیثیت رہ جائے گی

ہمارا وہ مقصد ہے جسے اسرائیل حاصل کرنا چاہتا ہے۔

حیرت تو اس بات پر ہے کہ عالم اسلام خصوصاً وہ عرب ممالک جو امریکہ کی آقائی کا دم بھرتے ہیں انھیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟ یہ سمندر کی سی گمبھیر خاموشی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ وہ اسرائیل کے خلاف عملی اقدام کیوں نہیں کرتے؟ یہ جانتے ہوئے وہ خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں کہ اگر اسرائیل کے خلاف فوری اقدام نہیں کیا گیا تو کل ان کا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔ صیہونیت کا خونخوار اژدھا پھن پھیلائے لبنان ہی نہیں بلکہ تمام عرب ملکوں کو نگلنے کے لئے تیار کھڑا ہے لیکن کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔

حالانکہ جب عراق نے شط العرب کا مسئلہ کھڑا کر کے ایران پر جارحانہ حملہ کیا تھا تو یہی عرب کی خلیجی ریاستیں تھیں جنھوں نے متحد ہو کر ایران اور ایران کے اسلامی انقلاب کو ناکام کرنے اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے عراق کو ہر طرح کی امداد بہم پہنچائی۔ جب کہ اس جنگ کے اسباب تلاش کئے جائیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ امریکہ اور اسرائیل کی ملی بھگت سازش کا شاخسانہ ہے اس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ دنیائے اسلام کی طاقت خود ان کے اپنے ہاتھوں سے ختم کرائی جائے تاکہ خلیج میں اسرائیل کا مستقبل محفوظ ہو سکے۔ اسرائیل نے عراق کے ایٹمی ری ایکٹر کو تباہ کرنے کی جو سازش تیار کی تھی وہ بھی اسی منصوبے کی ایک کڑی تھی۔

عراق و ایران کی اس باہمی جنگ میں جو خونریزی ہوئی ہے وہ دل ہلا دینے کیلئے کافی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس جنگ میں سو لاکھ مسلمانوں کا خون ضائع ہوا اور اس جنگ میں نقصان کی کل مالیت ۵۰۰ بلین ڈالر یعنی ۵۰۰۰ ارب روپیہ تک ہے۔

حیف صد حیف! الاماں! الاماں!! اس باہمی جنگ میں جو جانیں ضائع ہوئیں اور جو ناقابل تلافی نقصان ہوا اگر یہی جانیں اور روپیہ اس مشترکہ دشمن کے خلاف استعمال ہوتا تو نہ صرف اسرائیل کا وجود اس خطہ سے پاک ہو جاتا بلکہ آئندہ بڑی طاقتوں کو خلیجی ریاستوں میں مداخلت کی جرأت نہ ہوتی۔

بہر حال اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ بڑی طاقتیں دراصل اپنے مفادات کے تحفظ کے سبب ہی کسی کو امداد و اعانت دیتی ہیں اور کسی ملک پر اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لئے ہی مداخلت و دخل اندازی کرتی ہیں اس لئے اگر ہم اس خطے میں امن و امان اور استحکام چاہتے ہیں اور اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو ہم بڑی طاقتوں پر تکیہ کرنا چھوڑ دیں۔ اپنے مسائل کے حل کے لئے اقوام متحدہ کے طرز پر اسلامی ممالک پر مشتمل ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لائیں جس کی طرف رجوع کر کے عالم اسلام اپنے مسائل حل کر سکے۔

موجودہ حالات میں عرب اتحاد ایک ناگزیر امر ہے جس کے بغیر اسرائیل کو شکست دینا یا فلسطین کو آزاد کرانا ناممکن ہے۔ مشہور برطانوی مورخ ٹائن بی Toynbee اسکی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:-

"میرے نزدیک ان کی مدد اس طرح کی جا سکتی ہے کہ عالم عرب میں مجموعی طور پر ایک قوی اور موثر اتحاد کے قیام کیلئے ایک تحریک شروع کی جائے۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اگر تمام عالم عرب متحدہ آواز بلند کریں تو یہ آواز تمام دنیا میں سنی جائے گی بلکہ اس آواز سے فلسطینی عربوں کے مصائب کا دور ختم ہو جائے گا۔"

آزادیٔ فلسطین اور بیت المقدس کی واگذاری کو عرب قومیت سے بلند ہو کر امت مسلمین کا مسئلہ قرار دیں جو کہ بیت المقدس سے قبلہ اول ہونے کے ناطے جذباتی اور دینی لگاؤ رکھتے ہیں اگر ہم نے ایسا کیا تو لبنان میں فلسطینی مجاہدین کا زور ٹوٹ جانے کے بعد جیسا اسرائیل چاہتا ہے بیت المقدس کی واگذاری اور فلسطین میں آزاد و خود مختار ریاست کے قیام کے لئے کون کوشاں ہوگا؟؟

تبصرہ کتب

یادگار مجلہ

بہ سلسلہ آل انڈیا اجتماع جماعت اسلامی ہند حیدرآباد دکن منعقدہ ۲۰، ۲۲ فروری ۱۹۸۱ء

یادگار مجلہ جو پچھلے آل انڈیا اجتماع منعقدہ حیدرآباد دکن کی روداد پر مشتمل ہے ایک بیش قیمت تحفہ ہے اور مرتبین کی وضاحت کے بموجب ۱۰ر فروری ۱۹۸۱ء تک موصول ہونے والے تمامی مواد کو اس میں جگہ دی گئی ہے اس طرح یہ جماعت اسلامی ہند کے کل ہند اجتماع کی مکمل روداد تو نہیں لیکن جو کچھ ہے اسے سلیقے، نفاست اور حسن ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے۔ ع۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

[illegible] عنوان کے تحت کہا گیا ہے کہ جماعت اسلامی ہند کا نصب العین اقامت دین ہے جس کا حقیقی محرک رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ہے اور جماعت کے کل ہند اجتماعات کا وسیع تر مرکزی موضوع بھی یہی ہو سکتا ہے چنانچہ یادگار مجلہ کے سرورق پر کعبۃ اللہ کے پس منظر میں اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کا طغرا اسی حقیقت کو پیش کرتا ہے اور جیسے ہم مجلہ کے سادے مندرجات کا مطالعہ کرتے ہیں جن کی خوشبو سے مجلہ کا ورق ورق بڑا مہک رہا ہے پھر مناسب حال قرآنی آیات علی قسم میں ایک ایک [illegible] کی زینت بنی ہو اور ممکن نہیں کہ قاری ان کو نظر انداز [illegible] کئے بغیر آگے بڑھ سکے اس کے بعد دنیائے اسلام کے بعض اکابر کے پیغامات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے پھر [illegible] مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی کا فکر انگیز خطبہ صدارت سامنے آتا ہے جس میں تمہیدی سطور کے بعد۔ اقامت دین امت مسلمہ کا مقصد وجود ہے، مسلمانان ہند کی ذمہ داریاں۔ ملی اتحاد، مسلمانان ہند کی مشکلات سیکولرزم اور سوشلزم۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی، اخلاقی زوال، منصفانہ نظام معیشت کی ضرورت، عالم اسلام اور اقوام عالم مسئلہ فلسطین، مسلم مملکتیں۔ خوش آئند تبدیلیاں۔ تحریکات اسلامی کا رول احیائے اسلام کی برکات نئے حالات میں ہماری ذمہ داریاں عنوانات کے تحت نہایت درجہ موثر۔ بصیرت افروز حقیقت پسندانہ اور دردمندانہ انداز میں وقت کے مسائل و مشکلات پر گفتگو کی گئی ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ کوئی بھی انسانیت دوست اور صحیح الفکر شخص اس کے مطالعہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا ہم یقین کامل اور پورے شرح صدر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارا اپنے ملک اور پورے عالم انسانیت کی صلاح و فلاح اگر ہو سکتی ہے تو اس طرز فکر اور طریق عمل کو اپنانے ہی سے جس کی نشاندہی بڑی وضاحت اور نہایت دردمندی کے ساتھ اس خطبہ میں کی گئی ہے۔ ہم متفقین جماعت اور تمامی ارباب فکر و نظر سے پر زور درخواست کرتے ہیں کہ مجلہ کے اس خطبہ کا مطالعہ پوری سنجیدگی اور غور و فکر کے ساتھ کریں اور بار بار کریں۔ یہاں ایک مختصر

اقتباس اس خطبے کا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ فرمایا :-

اقامت دین کے داعیوں اور علمبرداروں کی ذمہ داریاں کتنی بڑھ گئی ہیں اب وہ حالت نہیں ہے کہ کوئی آپ کی طرف متوجہ یا آپکی بات سننے کے لئے آمادہ نہ ہو اب اسلام ایک سوالیہ نشان بن گیا ہے۔ لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ نظام اسلامی کیا ہے اور تحریک اسلامی کیا تبدیلی لانا چاہتی ہے۔ اس کے پاس انسانی مسائل کا حل اور نئے عالمی نظام کی تشکیل کے لئے کیا اصول ہیں البتہ اسلام دشمن طاقتوں نے اسلام مسلمانوں اور ان کی تاریخ کے خلاف عرصہ تک جو جھوٹا پروپیگنڈہ کیا ہے اسکے نتیجہ میں اسلام کی بگڑی اور بگاڑی ہوئی جو تصویر دنیا کے سامنے لائی گئی ہے وہ یقیناً قابل توجہ ہے یہ حق کے علمبرداروں کا کام ہے کہ غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے اس تصویر کو درست اور مسلمانوں کا (ریکارڈ) ٹھیک کریں اس کوشش سے اسلام اور اسلامی نظام کے حق میں حسن ظن پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کام آپ کی دینی ذمہ داری تو ہے ہی اسی کے ساتھ خود آپ کی بقا اور تحفظ اور آپ کے مصالح و مفادات کے فروغ کے لئے بھی لازمی ہے۔

چھ سالہ رپورٹ جماعت اسلامی ہند صفحہ ۲۱ سے ۵۷ تک پھیلی ہوئی ہے اور جماعت کی چھ سالہ کارکردگی کی مفصل اور مکمل تصویر پیش کرتی ہے اور ہر کلمہ گو سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اس میں اپنا مقام ڈھونڈے اور ہر ممکن تعاون پیش کرے۔ سوالنامے کے عنوان کے تحت جماعت اسلامی کے فکری اور عملی سے متعلق ۳۰ سوالات درج کئے ہیں ان کے جوابات مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا جلیل احسن ندوی، محمد یوسف اصلاحی (مدیر ذکری رامپور) محمد اسحاق مائل خیر آبادی، مولانا ابوالبیان حماد، ڈاکٹر سید جمال، محمد عبدالقیوم، ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ مطیع الرحمٰن، مولانا نظام الدین اصلاحی مولانا سراج الدین ندوی پروفیسر عبدالرحمٰن منظر، مولانا سلمان ندوی، ڈاکٹر حمید اللہ سید جلال الدین عمری، مولانا عبدالرؤف، ڈاکٹر اے ایم ایس عبدالغنی، ڈاکٹر ابن فرید، پروفیسر سید انور علی، سید امین الحسن رضوی، محمد شفیع مونس، محمد سراج الحسن، رسید علی نے اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ دیئے ہیں افسوس ہے کہ ناموں کے سوا اقتباسات کی گنجائش نہیں ہے صرف اتنا کہدینا کافی ہوگا یہ سارے حوالات ہمارے سنجیدہ مطالعہ کا تقاضا کرتے ہیں

تحریکی زندگی کی کہانی (کچھ حالِ دل اور کچھ آپ بیتی کی زبان میں) نہایت درجہ دلچسپ اور ساتھ ساتھ بصیرت افروز ہے تبصرہ نگار اس سلسلہ کی تمام تحریروں میں جس سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ جناب محمد اسحاق صاحب مائل خیر آبادی مدیر حجاب رامپور کی آپ بیتی ہے جو وہ دن آئی سیتاپال سیتاپور ، خصوصیت سے کے پڑھنے کا ہے اس میں ان کی شخصیت کا جلال و جمال بڑا جھلکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں ان کے ایمان محکم اور عمل پیہم کے نہایت دلاویز جلوے ملتے ہیں غیر مسلموں اور اونچے سے اونچے تعلیم یافتہ حضرات سے گفتگو کا انداز کیا ہوتا ہے اور ان کے سامنے دعوت دین کیونکر موثر طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ مائل صاحب کو تبصرہ نگار عرصہ سے جانتا ہے لیکن ان کی بلند قامتی کا صحیح اندازہ اب ہوا ہے۔

اس اجتماع میں ہونے والی بعض تقریر۔ درس قرآن اور تذکرہ وغیرہ کا خلاصہ بھی آخر میں ملتا ہے۔ ایک نہایت عجیب اور مسرت بخش پہلو یہ ہے کہ اشتہارات تک میں جماعت کے افکار اور اعمال کی جھلک ملتی ہے یہ بات شاید کہیں دیکھنے میں نہ آئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں اور کمزوریوں کو معاف فرمائے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی کی توفیق عطا فرمائے۔

وتعاونوا على البر والتقوىٰ

(۱)۔ کیا حیات نو اپنے اغراض و مقاصد کا حق نہیں ادا کر رہا ہے؟

(۲)۔ کیا حیات نو وقت کی اہم ضرورت نہیں ہے؟

(۳)۔ کیا حیات نو صحتمند ادب کا علمبردار اور تحریک اسلامی کا ترجمان نہیں ہے؟

(۴)۔

ان سب سوالات کا جواب اگر اثبات میں ہے

تو آئیے

وتعاونوا علی البر والتقوىٰ کے حکم کے تحت ہمارا ہاتھ بٹائیے۔ تعاون کی مندرجہ ذیل شکلیں ہو سکتی ہیں۔

(۱)۔ پہلی فرصت میں حیات نو کے خریدار بن جائیے۔

(۲)۔ اپنے دوست و احباب اور اعزہ و اقارب میں حیات نو کا تعارف کرائیے اور ان کے پتے ہمارے پاس روانہ کیجئے۔

(۳)۔ اپنی قلمی کاوشوں اور تخلیقات سے حیات نو کو مزین کیجئے۔

(۴)۔ اپنے مفید مشوروں اور گراں قدر آراء سے ہماری خامیوں کی نشاندہی کیجئے اور پرچے کو مفید بنائیے۔

ان لوگوں کے نام جن کے ضمیر نے ابھی آخری ہچکی نہیں لی ہے

ایک اپیل

(۱)۔ لبنان میں اسرائیل کی ننگی جارحیت اور بہیمانہ وحشیانہ قتل عام کے خلاف آواز بلند کیجئے اور ان سے ہمدردی و محبت کا اظہار کیجئے اور اسرائیل سے سینہ سپر مجاہدین کی کامیابی کی دعا کیجئے۔

(۲)۔ امریکہ روس اور اسرائیل کی مذمت کیجئے اور ان سے اظہار نفرت کیجئے۔

(۳)۔ اپنے لبنانی بھائیوں کی دل کھول کر مدد کیجئے۔

ادارہ حیات نو، انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح
بلریاگنج